اکتوبر ۱۹۹۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

"حزب التحریر" کے افکار و نظریات

ایک تنقیدی جائزہ

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد کا مفصل خطاب

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

خوشبودار کیمیکل

مختلف اقسام کے عطریات' اگر بتی' صابن وغیرہ
کی صنعتوں کے لئے عوامی جمہوریہ چین سے
خوشبو دار کیمیکل (پرفیومری' کیمیکل) درآمد
کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں۔

ربی ٹریڈنگ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر238' کراچی74200

نماز قائم کریں' اسی میں نجات اور سکون ہے۔

اطلاع برائے رفقاء واحباب تنظیم اسلامی ومعاونین تحریک خلافت پاکستان

ان شاء اللہ العزیز

تنظیم اسلامی پاکستان کا

انیسواں سالانہ اجتماع

جمعۃ المبارک' ۲۱/ اکتوبر تا سوموار ۲۴/ اکتوبر ۹۴ء

قرآن آڈیٹوریم

۱۹۱۔اے' اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور میں منعقد ہوگا

☆ اجتماع کی پہلی باقاعدہ نشست کا آغاز ۲۱/ اکتوبر بعد نماز مغرب آڈیٹوریم میں ہوگا' تاہم تمام رفقاء کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ صبح دس بجے تک باغ بیرون موچی دروازہ پہنچ جائیں جہاں جلسہ خلافت میں امیر تنظیم اسلامی کا خطاب قبل از نماز جمعہ ہوگا۔

☆ بعد از نماز جمعہ تمام شرکاء اجتماع "کاروان خلافت" کی شکل میں اجتماع گاہ پہنچیں گے۔

☆ اجتماع کے دوران تمام شرکاء اجتماع گاہ ہی میں قیام کریں گے۔

☆ رفقاء کی راہنمائی اور سہولت کے لئے ۲۰/ اکتوبر جمعرات عصر سے ۲۱/ اکتوبر عصر تک لاہور ریلوے اسٹیشن پر استقبالیہ کیمپ قائم ہوگا۔

تمام رفقائے تنظیم اسلامی پاکستان کے لئے اس اجتماع میں شرکت لازم ہوگی!

المعلن : چوہدری غلام محمد' معتمد عمومی تنظیم اسلامی پاکستان

(اس ضمن میں تفصیلی ہدایات صفحے کی پشت پر ملاحظہ فرمائیں)

ہدایات برائے رفقائے تنظیم

- براہ کرم اپنی آمد سے استقبالیہ کو مطلع کیجئے اور تعارفی کارڈ حاصل کر کے اپنے سینے پر آویزاں کیجئے۔
- استقبالیہ کی طرف سے آپ کے لئے جو رہائش گاہ متعین کی جائے وہیں پر قیام اختیار کیجئے۔ اگر کسی وجہ سے رہائش گاہ کی تبدیلی ناگزیر ہو تو اس کے لئے ناظم رہائش گاہ سے رجوع کیجئے۔
- اجتماع میں آپ کی ہمہ وقت شرکت لازمی ہے۔ اگر کسی وقت اشد ضرورت کے تحت آپ کو اجتماع سے غیر حاضر ہونا پڑے تو اپنے امیر سے اس کی اجازت حاصل کیجئے اور استقبالیہ پر اپنے جانے اور واپس آنے کی اطلاع دیجئے۔
- کسی بھی ایسی ناشائستہ بات سے پرہیز کیجئے جس سے اجتماع کا پاکیزہ ماحول غیر سنجیدہ یا غیر پسندیدہ ہونے کا امکان ہو۔
- اپنے تمام معاملات کو انجام دیتے ہوئے سنت نبوی علی صاحبا الصلوۃ والسلام کو پیش نظر رکھئے اور مختلف مواقع کے لئے مسنون دعاؤں کا پڑھنا اپنے معمولات میں شامل کیجئے۔
- اجتماع کے تمام پروگراموں میں پوری دلچسپی، حصول علم اور طلب ہدایت کی نیت سے شریک ہوں اور بھرپور استفادہ کے لئے کاپی پنسل اپنے ساتھ رکھیں۔
- اجتماع کے کسی بھی پروگرام پر دیگر ضمنی کاموں کو ترجیح نہ دیجئے تاکہ آپ جس مقصد کے لئے اجتماع میں تشریف لائے ہیں وہ بھرپور طریقے سے پورا ہو سکے۔
- محفل کے آداب کا بطور خاص خیال رکھئے۔ اجتماع گاہ میں بے ترتیب اور ٹکڑیوں کی شکل میں نہ بیٹھیں بلکہ مل کر اور متوجہ ہو کر بیٹھئے۔
- موسم کے مطابق بستر اور ذاتی استعمال کی ضروری اشیاء ہمراہ لائیں۔
- اس اجتماع کے لئے زر طعام =/۷۵ روپے فی کس مقرر ہوا ہے۔

منجانب : عمران چشتی، ناظم اجتماع

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۳

شمارہ: ۱۰

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ

اکتوبر ۱۹۹۴ء

فی شمارہ -/-

سالانہ زرتعاون -/۷۰

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت ۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر

یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ ۱۶ امریکی ڈالر

شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ ۲۰ امریکی ڈالر

ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر ۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

★ عرضِ احوال ——— ۵

شیخ جمیل الرحمٰن

★ تذکرہ و تبصرہ ——— ۷

"حزب التحریر" کے افکار و نظریات----ایک تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر اسرار احمد

★ الھدیٰ (قسط : ۴۳) ——— ۴۵

نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں قتال فی سبیل اللہ کا آغاز (۳)

ڈاکٹر اسرار احمد

★ تفکر و تذکر ——— ۵۵

مولانا مدنیؒ، مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے بارے میں میرا موقف

ڈاکٹر اسرار احمد

★ لمحہ فکریہ ——— ۷۱

ہم کہاں کھڑے ہیں!

شیخ جمیل الرحمٰن

رفیقات تنظیم اسلامی توجہ فرمائیں

اواخر اکتوبر میں منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی کے انیسویں سالانہ اجتماع میں خواتین کی شرکت ضروری نہیں ہے۔ (حلقہ خواتین کا سالانہ اجتماع حسب سابق کسی اور موقع پر علیحدہ منعقد کیا جائے گا)---- تاہم اس موقع پر "نقیبات" کا ایک مشاورتی اجتماع ہوگا جس میں پورے پاکستان سے نقیبات شرکت کریں گی اور سالانہ اجتماع میں بھی شرکت کر سکیں گی۔

اہم نوٹ : اس مشاورتی اجلاس اور سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے صرف وہ نقیبات تشریف لائیں جن کے ساتھ چھوٹے بچوں کا معاملہ متعلق نہ ہو!

المعلنہ : ناظمہ حلقہ خواتین تنظیم اسلامی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ جمیل الرحمٰن

عرض احوال

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

عرصۂ دراز کے بعد اس عاجز کو ان سطور کے توسط سے قارئین کرام بالخصوص تنظیم اسلامی کے رفقائے گرامی سے تخاطب کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اس کی تقریب یوں بنی کہ یہ عاجز ستمبر ۹۴ کے آخری عشرہ میں لاہور ان مقاصد کے پیش نظر حاضر ہوا تھا کہ امیر محترم 'اکیڈمی اور مرکزی تنظیم نیز دیگر رفقاء کی صحبت سے استفادہ کا موقع میسر آئے گا اور قریباً ایک مہینہ یعنی تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع تک یہاں کے پاکیزہ ماحول میں زوال پذیر صحت کو آرام ملے گا اور مسلم امہ بالخصوص اپنے وطن عزیز پاکستان کے مخدوش و تشویش ناک حالات سے فکر و نظر اور شعور و ادراک میں جو کرب و اضطراب کی کیفیت طاری ہے اس میں بھی کچھ افاقہ ہو گا اور اس طرح چاق و چوبند ہو کر سالانہ اجتماع سے استفادہ کر سکے گا۔ لیکن عزیزم عاکف سعید سلمہٗ نے فرمائش کی کہ میں اکتوبر کے شمارے کا "عرض احوال" لکھوں اور اگر ممکن ہو تو مسلم امہ کے موجودہ حالات پر کچھ تبصرہ بھی کروں۔ عزیزم کی فرمائش کو ٹالنا یا رد کرنا میرے لیے مشکل تھا۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں خالصتاً توفیق الٰہی سے ایک قدرے طویل مضمون ضبطِ تحریر میں آگیا جو اسی شمارے میں قارئین کرام کی نظر سے گزرے گا۔ قارئین اس تحریر میں یقیناً بے ربطی محسوس کریں گے لیکن یہ ایک دکھی دل کی چبھن اور کسک ہے جس نے الفاظ کا جامہ اختیار کر لیا ہے۔ اگر قارئین میری بے بضاعتی 'موجودہ مضمحل صحت اور حالات کی تشویشناکی کے تناظر میں اس کا مطالعہ فرمائیں گے تو مجھے توقع ہے کہ ازراہ تلطف و تکریم بصارت خراشی اور وقت کے زیاں کی کوفت پر راقم کو معاف فرمادیں گے۔

مسلم امہ اور وطن عزیز پاکستان کے حالات جس تشویشناک اور پر خطر کیفیات سے دوچار ہیں اور گزر رہے ہیں ان کا ہر دردمند اور باشعور مسلمان بالخصوص تنظیم اسلامی کے رفقاء کو یقیناً گہرا احساس ہو گا۔ ان نامساعد حالات میں امید کی کرن یہ نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے جن لوگوں کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہے 'اگر وہ بساط بھر اپنی توانائیاں' صلاحیتیں اور مال و منال اللہ کے دین کی نصرت میں لگادیں 'کھپادیں تو رب کریم اس قربانی اور ایثار کو مسلم امہ کی لیے اس دنیا میں "عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ" (تمہارے رب سے

بعید نہیں کہ تم پر رحم فرمائے) کی نوید جانفزا سنا دے۔ اگر تنظیم اسلامی کے رفقاء کا حال کروڑویں حصہ میں دین حق کے لیے جان و مال کی قربانی اور ایثار کا عالم ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطابق ہو جائے جو کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر تھا کہ جب تین اطراف سے مدینۃ النبی ﷺ کی چھوٹی سی بستی کو مشرکین عرب کے بارہ ہزار کے لشکر جرار نے گھیرے میں لے رکھا تھا جس کا نقشہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ میں بیان کیا ہے کہ ﴿ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴾ "اس موقع پر جانچے گئے ایمان والے اور وہ ہلا مارے گئے' جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا"۔ تو ان جان نثاروں کی مدح میں رب کریم' مالک ارض و سما فرماتا ہے کہ ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ﴾ "ایمان والوں میں سے کتنے (جواں) مرد ہیں کہ جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔ پس ان میں سے کوئی تو اپنا ذمہ پورا کر چکا اور ان میں کوئی ہے جو (اپنی باری) کا منتظر ہے"۔ تو ان شاء اللہ العزیز بگڑی سنور سکتی ہے۔ لیکن اگر ابھی اللہ کی حکمتِ بالغہ میں اس کا وقت نہیں آیا تو جو لوگ اپنی بساط' استعداد اور استطاعت کے مطابق اس عظیم کام میں "وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ" والا طرز عمل اختیار کریں گے تو آخرت میں رضائے الٰہی سے شاد کام اور فوز و فلاح سے ضرور بہرہ مند ہوں گے چونکہ ان کو "مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ" کا موقع بہرحال ملے گا۔

رفقاء تنظیم اسلامی کے پیش نظر یہ بات بھی رہنی چاہئے کہ جتنے نامساعد حالات میں دین کے لیے محنت' کوشش' قربانی اور ایثار کیا جائے گا اسی اعتبار سے ان کا اجر و ثواب آخرت میں محفوظ ہو گا۔ ان شاء اللہ۔ چنانچہ رسول رحمت' نبی خاتم' محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ :

"بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَىٰ لِلْغُرَبَاءِ"

"اسلام کی ابتدا اس حال میں ہوئی کہ وہ اجنبی تھا اور عنقریب وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جائے گا۔ پس خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جو اسلام کے ساتھ وابستہ رہنے کے باعث معاشرے میں اجنبی بن کر رہ جائیں"۔

راقم کو توقع ہے کہ تنظیم اسلامی کا ہر رفیق (ماسوا جن کو حقیقی عذرِ شرعی لاحق ہو) اس اجتماع میں لازماً شرکت کرے گا' تاکہ وہ تجدیدِ عہد' ولولہ تازہ اور جذبۂ صادق کا تحفہ لے کر اپنے اپنے مستقر کی طرف مراجعت کرے۔

وما علینا الا البلاغ او آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین !!

"حزب التحریر" کے افکار ونظریات

ایک تنقیدی جائزہ

امیر تنظیم کے ۲۶ اگست اور ۲ ستمبر کے خطابات جمعہ سے ماخوذ

خطبہ مسنونہ، سورۃ النور کی آیت ۵۵ اور سورۂ آل عمران کی آیت ۶۴ کی تلاوت کے بعد فرمایا :

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے گزشتہ جمعہ کو اولاً ویمبلے ایرینا لندن میں ۷ / اگست کو منعقد ہونے والی عالمی احیاء خلافت کانفرنس کے مختصر حالات آپ کے گوش گزار کئے تھے۔ ثانیاً اس کانفرنس کی اصل روح رواں اور اس کا انتظام کرنے والی تنظیم "حزب التحریر" کا تاریخی پس منظر بھی میں نے آپ کے سامنے رکھا، اِس وقت عالم اسلام میں جو احیائی تحریکیں بر سرکار ہیں ان میں اپنے افکار و نظریات اور اپنے موقف و طریق کار کے اعتبار سے اس کا جو مخصوص مقام و مرتبہ اور نوعیت ہے اسے بھی بیان کیا۔۔۔ اور پھر تنظیم اسلامی کے ساتھ اس کی جو مشابہت یا مماثلت ہے وہ بھی واضح کی۔ ان امور پر میں نے کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ آج اصلاً تو مجھے ان بعض امور کا تذکرہ کرنا ہے جن میں تنظیم اسلامی اور حزب التحریر کے نظریات کے مابین اختلافات ہیں، خاص طور پر طریق کار کے ضمن میں جو اختلافات ہیں ان کو آپ کے سامنے رکھنا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حزب التحریر کے بارے میں اور خاص طور پر اس خلافت کانفرنس کے بارے میں دنیا میں جو چہ میگوئیاں ہوئی ہیں ان کے بارے میں بھی چند امور سے آپ کو مطلع کرنا ہے۔

نظامِ خلافت --- صرف عالمِ اسلام ہی میں کیوں؟

"حزب التحریر" سے میرا پہلا بڑا اختلاف یہ ہے کہ مغربی عیسائی دنیا میں بیٹھ کر صرف عالم اسلام میں خلافت کے قیام کا نعرہ لگانا اور خود وہاں اسلام کی دعوت اور وہاں پر نظامِ خلافت کو قائم کرنے کی بات نہ کرنا' میرے نزدیک اسلام کی صحیح ترجمانی اور سنتِ رسول ﷺ کا صحیح اتباع نہیں ہے۔ انگلستان میں "حزب التحریر" کے ذمہ دار ترین آدمی عمر بکری ہیں اور میں ان سے بہت متاثر ہوں۔ وہ نہایت فعال' نہایت مخلص' نہایت پرجوش اور نہایت محنتی آدمی ہیں۔ ان کا تعلق شام سے ہے اور انہوں نے مدینہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہے۔ لیکن بعد میں ان کے خیالات کے اندر ایک انقلابی رنگ پیدا ہوا تو پھر وہ وہاں سے نکالے گئے اور اب وہ انگلستان میں مقیم ہیں۔ یہ مجھے یقین سے معلوم نہیں ہے کہ انہیں وہاں کی شہریت حاصل ہے یا انہوں نے وہاں سیاسی پناہ حاصل کر رکھی ہے۔ انہوں نے چند ہی سال کے اندر کام کر کے جس کثیر تعداد میں نوجوانوں کو متحرک کیا ہے' یہ میرے نزدیک بڑی ہی حیرت ناک مثالوں میں سے ہے۔ احیاء خلافت کانفرنس سے پہلے وہاں ایک پریس کانفرنس میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے باضابطہ یہ الفاظ کہے تھے کہ "ہم یہاں خلافت قائم نہیں کرنا چاہتے' خلافت تو ہم عالم اسلام میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔" اس کانفرنس میں میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد بھی موجود تھے اور انہوں نے خود ان سے یہ الفاظ سنے' لہٰذا اس میں رپورٹنگ کا کوئی مغالطہ یا کسی رپورٹر کی طرف سے شرارت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کے بعد میری ایک ملاقات ان کے دوسرے اہم آدمی جمال ہارووڈ سے ہوئی اور میں نے جب ان کے سامنے اس بات پر اعتراض کیا تو اگرچہ وہ بار بار یہ بات دہراتے رہے کہ ہم یہاں بھی لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں لیکن انہوں نے بکری صاحب کی اس بات کی نفی نہیں کی اور ان کے اس جملے کو disown نہیں کیا۔

میرے نزدیک یہ صورت حال اسلام کی صحیح ترجمانی نہیں کرتی۔ یہ اسوۂ رسول ﷺ کی صحیح تعبیر نہیں ہے۔ اسلام کا اصل موقف یہ ہے کہ وہ پورے عالمِ انسانیت کے لئے ایک پیغام ہے' آنحضور ﷺ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا اسلام کا کسی

قوم' کسی علاقے' کسی جغرافیے اور کسی نسل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر یہ زمین کل کی کل اللہ کی ہے لہٰذا اس پوری زمین پر خلافت کا نظام قائم ہونا چاہئے۔ اور جہاں اللہ نے جس کو پیدا کیا ہو یا جہاں جس کو تقدیر پہنچادے اسی جگہ پر کام کرنا اس کا فرضِ عین ہے۔ تمام انبیاء اکرام کی سنت یہی رہی ہے کہ جہاں انہیں بھیجا گیا تھا وہاں انہوں نے کام کیا۔ اس میں اقلیت یا اکثریت کا کوئی سوال نہیں۔ انبیاء کی سنت اور ان کا اسوہ تو یہ ہے کہ جہاں وہ کام شروع کرتے تھے وہاں وہ اکیلے ہوتے تھے۔ آنحضور ﷺ نے عرب میں تن تنہا کام شروع کیا اور ان لوگوں کو دعوت دی جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ حالانکہ اس زمانے کے بگڑے ہوئے مسلمان تو یہودی تھے یا عیسائی تھے' جو انبیاء کے نام لیوا اور پیروکار تھے' ان کے پاس کتابیں بھی تھیں' لیکن حضور ﷺ نے کام مکے کے اندر شروع کیا جہاں نہ کوئی کتاب تھی نہ کوئی شریعت۔ وہ تو یوں سمجھئے کہ خالص شرک کا گڑھ تھا۔ لہٰذا اگر اسوۂ رسول ﷺ کو سامنے رکھا جائے اور مانا جائے کہ ہمارے لئے اصل مشعلِ راہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت ہے تو پھر یہ بات آپ "strategy" کے طور پر سمجھ لیں۔

اب میں اگر پاکستان میں کام کر رہا ہوں اور پاکستان میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے تو یہاں مسلمانوں ہی کو خطاب کیا جائے گا۔ یہاں غیر مسلم تو آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اب ظاہر بات ہے کہ یہاں جو اتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے انہی کو آمادہ کیا جائے گا کہ اسلام پر پوری طرح عمل بھی کرو اور اسلام کو اجتماعی نظام کے طور پر نافذ کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی بھی لگاؤ۔ لیکن فرض کیجئے کہ امریکہ کا رہنے والا کوئی شخص وہاں اسلام قبول کرلیتا ہے تو اسے وہیں کام کرنا ہوگا' چاہے وہاں عظیم اکثریت عیسائیوں کی ہے۔ وہ پاکستان میں آکر کام نہیں کر سکتا۔ جو کوئی جہاں بھی اسلام قبول کرتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہیں پر اسلام کی دعوت کا آغاز کرے۔ اب یہ کہ دعوت کس رفتار سے پھیل رہی ہے' "response" کتنی مل رہی ہے' کتنے ساتھی ملے ہیں' آگے کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں ---- یہ بعد کی باتیں ہیں۔ اللہ کے رسول حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک دعوت دیتے رہے لیکن اتنی "response" نہیں ملی کہ اگلا قدم اٹھ سکتا۔ اور

فرض کیجئے' معاذ اللہ' اگر حضور ﷺ کو اتنے ساتھی بھی نہ ملتے جتنے ملے ہیں تو آپ ﷺ کیا کرتے؟ پھر وہ اگلے مراحل پیش ہی نہ آتے اور آپ ﷺ بھی اسی طرح ایک فرد کی حیثیت سے دعوت دیتے ہوئے دنیا سے تشریف لے جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعوت کے اندر ایک تاثیر پیدا کی جس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر سے لوگ نکلے۔ شروع میں بہت تھوڑے نکلے' تھوڑے تھوڑے کر کے نکلے' ایک ایک بھی بمشکل نکلا' دس برس میں کل ڈیڑھ سو آدمی نکلے' لیکن اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے رفتار تیز کر دی۔ تو جب آپؐ کو وہ معتدبہ تعاون مل گیا تو آپؐ نے اگلا قدم اٹھایا' یعنی وہاں پہلے سے موجود باطل نظام کو چیلنج کیا اور اسلام کا نظام قائم کیا۔ چنانچہ اس سے کوئی بحث نہیں کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ یہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا انحصار حالات پر ہے' معاشرے کی طرف سے ملنے والے respose پر ہے کہ آنے والے کتنے ہیں' کچے ہیں یا پکے ہیں۔

یوں تو جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے ساتھ مصر سے نکلے تو تورات کی رو سے ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اب ان چھ لاکھ میں سے کم از کم ایک لاکھ تو جنگ کرنے کے قابل مرد ضرور ہوں گے۔ بوڑھے' بچے اور عورتیں نکال دیجئے تو کیا چھ میں سے ایک بھی نہیں ہو گا جو جنگ کی صلاحیت اور عمر والا ہو؟ لیکن جب جنگ کا معاملہ آیا تو سب نے کورا جواب دے دیا کہ ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴾ یعنی اے موسیٰ! "جاؤ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔" تو حضرت موسیٰؑ کیا کرتے؟ انہوں نے کہا: ﴿ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴾ "اے اللہ مجھے تو اختیار ہے (بس) اپنی جان اور اپنے بھائی ہارون کی جان کا ہے۔ (یہ پوری قوم انکار کر رہی ہے' میں کیا کروں؟) اب ہمارے اور ان نافرمانوں کے درمیان تفریق پیدا کر دے۔" اب میں ان کے ساتھ رہنا بھی نہیں چاہتا--- لیکن اس کے برعکس حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ساتھی دیئے کہ جہاں آپؐ کا پسینہ گرا وہاں انہوں نے خون کی ندیاں بہا دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انقلاب آ گیا۔ تو یہ سارے معاملات کسی فرد کے اختیار میں نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو اختیار ہوتا تو سب کو جنگ کے لئے آمادہ کر لیتے۔ اس طرح ان کی اپنی زندگی میں کوئی اسلامی

حکومت قائم ہو گئی ہوتی۔ لیکن وہ تو آپؑ کے تین سو برس بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں قائم ہوئی۔ سورۃ القصص میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ یعنی "اے نبی آپ کو اختیار نہیں ہے کہ جس کو چاہیں ہدایت دے دیں' یہ تو اللہ کا اختیار ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔" چنانچہ نتائج کی کوئی ذمہ داری داعی پر نہیں ہے۔ البتہ داعی کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ صحیح دعوت دے' اس کا ہدف اور محل صحیح ہو' اس کے اصول و مبادی صحیح ہوں' اس کا میڈیم اور ذریعہ صحیح ہو۔ صحیح سے میری مراد کتاب اللہ اور اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق ہے۔

اس ضمن میں عالم عیسائیت کا معاملہ خاص طور پر بہت اہم ہے۔ فرض کیجئے "حزب التحریر" کی تحریک ہندوستان سے شروع ہوتی تو معاملہ بالکل مختلف تھا۔ یا فرض کیجئے کہ اسی قسم کی کوئی تحریک جاپان یا چین میں شروع ہوتی تو معاملہ بہت مختلف ہوتا۔ لیکن عالمِ عیسائیت کا معاملہ تو یہ ہے کہ سب سے پہلے تو خلافت کا تصور ان کے اپنے مذہب میں موجود ہے۔ دیکھئے' ہمارے ہاں جو مقام سورۃ الفاتحہ کا ہے وہی ان کے ہاں "Prayer 'Lords" کا ہے' جس کے الفاظ ہیں:

"Thy Kingdom Come"

اے اللہ تیری حکومت آئے!

"Thy will be done on earth as it is in Heaven"

تیری مرضی جیسے آسمانوں میں پوری ہو رہی ہے اسی طرح زمین میں بھی پوری ہو۔

یعنی اے اللہ جیسے سورج' چاند' ستارے تیرے حکم کے پابند ہیں اسی طرح اس زمین پر بھی تمام انسان تیرے حکم کے پابند ہو جائیں۔ اور اسی کا نام تو خلافت ہے۔ تو یہ بات ان کی نفسیات کے انتہائی قریب ہے۔ چنانچہ ان سے اگر اس خلافت کے حوالے سے بات ہو گی تو یہ کہ آپ کا اپنا مذہب یہ سکھا رہا ہے کہ زمین پر اللہ کی حکومت اور اس کے فرمانبردار بندوں کی خلافت قائم ہو۔

احیاءِ خلافت میں حضرت مسیحؑ کا کردار

دوسری بات اچھی طرح نوٹ کرنے کی ہے۔ میں نے زیادہ زور دے کر ان باتوں کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کیونکہ میں خود تو پاکستان میں کام کر رہا ہوں اور میرا بنیادی میدان پاکستان ہے۔ چنانچہ یہاں میری دعوت تو مسلمانوں ہی کو ہوگی، اس لئے کہ یہاں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے، مجھے انہی کو مخاطب کرنا ہے۔ اور انہی کے ذریعے سے یہاں نظامِ خلافت برپا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی عالم عیسائیت میں رہے اور وہاں ان حقائق کو اجاگر نہ کرے تو یہ میرے نزدیک دین کے اعتبار سے کم از کم ناواقفیت کی علامت ضرور ہے۔ اس لئے کہ جس عالمی خلافت کی خوش خبری ہم آج کل احادیثِ نبویہ کے حوالے سے عام کر رہے ہیں کہ اس دنیا کے خاتمے سے قبل، قیامت سے پہلے اس پورے کرۂ ارضی پر خلافت کا نظام قائم ہوگا، اس عالمی خلافت کے قیام میں ایک فیصلہ کن رول حضرت مسیحؑ کو ادا کرنا ہے۔ اسی کو میں نے وہاں اپنی تقریر میں بہت اختصار کے ساتھ واضح بھی کیا ہے۔ دجال کا خاتمہ اور فتنۂ یہود کا استیصال حضرت مسیحؑ کے ہاتھوں ہی ہوگا۔ نزول مسیحؑ کے وقت عالم عرب میں مسلمانوں کے جو قائد ہوں گے جنہیں ہم "مہدی" کے نام سے جانتے ہیں (اہلِ تشیع کے امام مہدی کے تصور سے قطع نظر) ان کے اور حضرت مسیحؑ کے تعاون سے کرۂ ارضی پر سے کفر و شرک کا خاتمہ ہوگا اور دجال اور فتنہ یہودیت کا قلع قمع ہوگا۔ اس لئے عالم عیسائیت میں ہمارے اور ان کے درمیان جو چیزیں مشترک ہیں انہیں بہت نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔ یہودیوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ ختم ہو چکے، انہیں مصلوب کر دیا گیا۔ بلکہ وہ اس بات کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ واقعی یسوع مسیح ہوتے تو وہ قتل نہیں ہو سکتے تھے۔ گویا جو بات ہم کہہ رہے ہیں وہی یہودی کہتے ہیں، لیکن برعکس انداز میں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ قتل نہیں ہوئے، کیونکہ رسول قتل ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں۔ اور قیامت سے پہلے دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ ہم یہ بات نہایت پختہ اور معتد علیہ احادیث کی بنیاد پر مانتے ہیں۔ بلکہ اس عقیدے کو ہمارے ہاں تواتر کا درجہ حاصل ہے اور تمام امت نے اس کو قبول کیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے بارے میں ہمارے اور

عیسائیوں کے عقائد کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ وہ صلیب دے دیئے گئے اور صلیب پر ان کی موت واقع ہوئی' پھر وہ زندہ کئے گئے اور آسمان پر اٹھالئے گئے اور اب دوبارہ زمین پر آئیں گے' جبکہ ہمارے نزدیک وہ صلیب نہیں دیئے گئے۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں : ﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ یعنی اس ضمن میں لوگوں کو ایک شبہ میں ڈال دیا گیا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ مسیحؑ ہیں جبکہ وہ مسیح نہیں تھے۔ انجیل برنباس کی رو سے یہ تو وہی شخص تھا جس نے غداری کر کے حضرت مسیحؑ کو گرفتار کروایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بنادی اور وہی حضرت مسیحؑ کی جگہ پکڑا گیا اور سولی چڑھادیا گیا' جبکہ حضرت مسیحؑ کا معاملہ یہ ہوا کہ آپ اس وقت ایک باغ کے اندر جس کوٹھڑی میں روپوش تھے' اس کی چھت پھٹی اور آسمان سے چار فرشتے نازل ہو کر آپؑ کو اپنے ہمراہ اٹھا کر لے گئے۔ یہ تفصیلات انجیل برنباس میں مذکور ہیں۔ ہمارے ہاں نہ کسی حدیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے نہ قرآن میں وضاحت ہے۔ عیسائی انجیل برنباس کو انجیل ہی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ وہ یہ مانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے حواریوں میں سے ایک برنباس بھی تھے۔

دو آیات کا تقابلی مطالعہ

میرے نزدیک عالمِ عیسائیت میں بیٹھ کر ان چیزوں کو نمایاں کر کے خود وہاں خلافت کی دعوت بلند کرنا بہت اہم چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ جمعہ کو بھی میں نے دو آیات کی تلاوت کی تھی اور آج بھی وہی دو آیات تلاوت کی ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ ذرا ان پر روشنی ڈال دوں۔ پہلی آیت سورۃ النور کی آیت ۵۵ ہے جس کو اس وقت ہم عام کر رہے ہیں اور بار بار سامنے لا رہے ہیں۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

"وعدہ کرلیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائیں اور عمل صالح کا حق ادا کریں کہ وہ انہیں لازماً زمین میں خلافت عطا فرمائے گا' جیسا کہ خلافت عطا کی تھی ان کو جو ان سے پہلے تھے۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو تمکّن عطا فرمادے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے لئے خوف کے بعد امن کی حالت پیدا کردے گا۔ پھر ایسے لوگ میری ہی بندگی کریں گے' کسی کو میرے ساتھ شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پھر اس کے بعد بھی جو لوگ روگردانی اختیار کریں تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔"

یعنی اللہ کا وعدہ ہے اے اہل ایمان تم سے کہ اگر تم ایمان اور عمل صالح کی دو شرطیں پوری کردو گے تو وہ تمہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی۔ ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ﴾ اور ان کا وہ دین جو ہم نے ان کے لئے پسند کرلیا ہے ہم اسے تمکن عطا کردیں گے۔ اس دین کو غلبہ عطا کردیں گے' وہ مغلوب نہیں رہے گا' غالب ہوگا۔ اور دین اصل میں ہوتا ہی وہ ہے جو غالب ہو' جو مغلوب ہوگیا وہ دین کہاں رہا۔ وہ تو مذہب بن جاتا ہے۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی

اور تیسرا وعدہ یہ کیا کہ ﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ "اور ان کی خوف کی حالت کو ہم سکون' امن اور چین کی حالت میں بدل دیں گے۔"

یہ تو میں نے بارہا عرض کیا ہے کہ یہ تینوں چیزیں دراصل ایک ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک ہی حقیقت کے تین رخ بیان کئے ہیں۔ "اے مسلمانو' ہم تمہیں خلافت عطا کریں گے!" جب مسلمانوں کی خلافت ہوئی تو اس کا مطلب اللہ کی حکومت اور اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ اور جب مسلمانوں کا دین غالب ہوگا تو پھر انہیں خوف کس کا؟ اب مسلمانوں کے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہے' خطرات اور خدشات سب ختم ہوگئے۔

قیامِ خلافت کا منطقی نتیجہ :

لیکن اس آیت کا اگلا ٹکڑا اس وقت میں خاص طور پر آپ کے سامنے لا رہا ہوں کہ

جب ایسا ہو جائے گا تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ ﴿یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا﴾ "پھر وہ صرف میری بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے"۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اصل میں نظام خلافت کا قیام توحید کی تکمیلی شان ہے۔ توحید کیا ہے؟ عقیدے کی توحید تو یہ ہے کہ اللہ ایک ہے' اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں' نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں۔ جبکہ عملی توحید یہ ہے کہ آپ ایک اللہ ہی کی بندگی کریں' اور پوری انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسی کی اطاعت ہو رہی ہو۔ اور اس کی تکمیل یہ ہے کہ پورا اجتماعی نظام اسی اصول پر قائم ہو جائے' یعنی اللہ کی حاکمیت بالفعل قائم ہو۔ یہ توحید کی تکمیلی شان ہے۔ جب ایسا ہو گا تب "یَعْبُدُوْنَنِیْ" کا تقاضا پورا ہو گا۔ تب یہ شکل ہو گی کہ "یہ میری ہی بندگی کریں گے" ورنہ آج صورت یہ ہے کہ میں اور آپ مسجد میں اللہ کی نماز پڑھ رہے ہیں لیکن عدالت میں جائیں تو قانون غیر اللہ کا ہے۔ تو وہاں کس کی حکومت ہے؟ اس طرح درحقیقت ہم بدترین شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اجتماعی سطح پر کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں' از روئے الفاظ قرآنی: ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ یعنی "جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں"۔ آپ کا سارا کاروبار سود پر چل رہا ہے' نظام آپ کا سارا سودی ہے' جس پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ تو اسی اللہ کے ساتھ ہم حالتِ جنگ میں بھی ہوں اور اسی سے دعا بھی مانگیں "فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ" کہ "اے اللہ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما" تو ہماری دعا کیسے قبول ہو گی؟ ہمیں تو یہ کہا جائے گا کہ تم سے بڑا کافر کون ہو گا جس کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے؟ تو یہ شرک ہے جس کا ہم ارتکاب کر رہے ہیں۔ جب تک خلافت کا نظام قائم نہیں ہوتا اجتماعی طور پر ہم سب مشرک ہیں۔ یہ درست ہے کہ انفرادی طور پر ہم مسلمان ہیں' مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے مسلمان ہیں' روزہ رکھتے ہوئے مسلمان ہیں' لیکن کاروبار کرتے ہوئے کافر ہیں۔ حکومت کا پورا بندوبست چلاتے ہوئے کافر ہیں' توحید کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے جب خلافت کا نظام قائم ہو۔

یہ ہے اس آیت کا اصل نکتہ جس کی طرف اس وقت توجہ دلانی مقصود ہے۔ قرآن مجید میں کوئی لفظ بغیر کسی سبب کے نہیں آتا۔ اتنی بڑی اور اتنی اونچی بات کہ ہم تمہیں زمین میں خلافت عطا فرمائیں گے' تمہارے دین کو تمکّن اور غلبہ عطا فرمائیں گے اور تمہاری حالتِ خوف کو امن و سکون سے بدل دیں گے۔۔۔۔ اور اس کے بعد عام تصور کے اعتبار سے تو بڑی ہی چھوٹی بات آگئی کہ "پھر تم میری ہی عبادت کرو گے' کسی کو میرے ساتھ شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔" اس لئے کہ اللہ ہی کی تو ہم نماز پڑھتے ہیں' اسی کے لئے روزہ رکھتے ہیں۔ جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ تمہاری یہ عبادت محض ایک گوشے کے اندر اللہ کی عبادت ہے' باقی رہی تمہاری عبدیت اور تمہاری غلامی (SLAVERY) تو وہ سب غیر اللہ کے لئے ہے۔ ہاں اگر خلافت کا نظام قائم ہو جائے گا تو اب یک رنگ ہو جاؤ گے' یک سو ہو جاؤ گے۔ تب واقعتاً پورے نظام زندگی میں اللہ ہی کی بندگی ہوگی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ یہی عدالت میں ہوگا' یہی ایوانِ حکومت میں ہوگا' یہی دار الخلافہ میں ہوگا' یہی ایک مسلمان کے گھر میں ہوگا اور یہی مسجد میں ہوگا۔ اور یہ سب کچھ اُس وقت ممکن ہوگا' یا بالفاظِ دیگر توحید کی تکمیل اس وقت ہوگی جب نظام خلافت قائم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ "خلافت" ضد ہے "حاکمیت" کی۔ اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت ہے تو یہی کفر ہے' یہی شرک ہے اور اللہ کی حاکمیت اور مسلمانوں کی خلافت و نیابت (VICEGERENCY) ہے تو یہ نظام خلافت ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ "اور جو لوگ اس کے بعد بھی کفر کریں گے تو وہی تو فاسق ہیں۔" یعنی ایسے لوگ نہایت ناہنجار اور انتہائی باغیانہ رجحانات رکھنے والے ہیں۔ اس کے دو معانی ہیں جو میں مختلف مواقع پر بیان بھی کر چکا ہوں۔ ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ ہماری طرف سے اس قدر پختہ وعدے کے باوجود بھی اگر تم کمرِ ہمت نہیں کس رہے تو تم سے زیادہ ناشکرا کون ہوگا۔ یا تمہیں ہمارے وعدوں پر اعتماد نہیں' ہم پر یقین نہیں' ہم تم سے تین تین وعدے کر رہے ہیں' پھر بھی تم ایمان اور عملِ صالح کے تقاضے پورے کرنے کے لئے کمر نہ کسو تو تم سے بڑا ناہنجار کون ہوگا؟ اور اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تک نظام باطل کا غلبہ رہتا ہے اس

وقت تک تو اس نظام باطل کے ساتھ ٹکرانے کے لئے ع "زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ ستیز" کے مصداق ہمتِ مردانہ کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر کس و ناکس میں موجود نہیں ہوتی' لیکن جب نظامِ حق قائم ہو جائے گا تو کمزور سے کمزور آدمی کے لئے بھی حق کو قبول کرنا اور حق پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ اس کے بعد بھی جو کفر پر قائم رہا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہے' اس میں خیر کا کوئی مادہ سرے سے باقی ہی نہیں۔

اہلِ کتاب کو "قیامِ خلافت" کی دعوت :

اب آیئے دوسری آیت کی طرف۔ یہ سورۂ آل عمران کی آیت ۶۴ ہے۔ اس کا آغاز "قُلْ یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ" کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ اس میں حکم دیا جا رہا ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو اور آپؐ کی وساطت سے گویا مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ جو مسلمان اتباعِ نبوی کا فیصلہ کر رہا ہے اور وہ کسی ایسے ملک میں رہتا ہے جہاں اہل کتاب کی اکثریت ہے تو اس کے لئے گویا حضور ﷺ کا سب سے بڑا اسوہ یہ ہو گا کہ اس آیت پر عمل کرے :

﴿ قُلْ یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے : اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے (ہم اس پر جمع ہو جائیں) کہ ہم بندگی نہ کریں مگر اللہ کی' اور نہ اس کا کسی کو شریک ٹھہرائیں' اور نہ ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اللہ کے سوا رب بنالے۔ پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دیجئے کہ گواہ رہو کہ ہم تو فرماں بردار ہیں۔"

اب ذرا اس آیت میں وارد ہونے والے الفاظ کا موازنہ سورۃ النور کی محولہ بالا آیت کے الفاظ سے کیجئے۔ یہاں اہل کتاب کو اس بات کی دعوت دی جا رہی ہے کہ "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا" یعنی "ہم بندگی نہ کریں کسی کی سوائے اللہ کے' اور نہ

اس کا کسی کو شریک ٹھہرائیں۔" اور سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں الفاظ آئے ہیں :
"یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا" یعنی "وہ میری ہی بندگی کریں گے' میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔" گویا یہاں اہل کتاب کو اسی بات کی دعوت دی جا رہی ہے جو نظامِ خلافت کے قیام کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والی ہے۔

"اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کی قدیم اور جدید صورت :

سورۂ آل عمران کی اس آیہ مبارکہ میں ان دو باتوں کے علاوہ تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے جو سورۃ النور کی آیت میں نہیں ہے کہ : ﴿وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ یعنی "ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنالیں۔" اس بات کو ذرا سمجھ لیجئے کہ اس کا معنی کیا ہے۔ اس بارے میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا۔ حاتم طائی جو سخاوت میں بہت مشہور ہیں' ان کا قبیلہ "طے" سے تعلق تھا' وہ عرب تھے مگر عیسائی تھے۔ ان کے بیٹے عدی بن حاتمؓ ایمان لے آئے تھے۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا : حضورؐ ! قرآن یہود و نصاریٰ کے بارے میں کہتا ہے : ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ کہ ان لوگوں نے اپنے علماء' اپنے صوفیاء اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے۔ لیکن ہم نے تو ان کو کبھی رب نہیں سمجھا۔ تو یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی' آپ ہمیں سمجھا دیجئے! حضور ﷺ نے اس کا بڑا سادہ سا جواب دیا۔ فرمایا : کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تمہارے علماء جس چیز کو حلال قرار دے دیتے اسے تم حلال مان لیتے اور جس کو حرام قرار دے دیتے اسے حرام مان لیتے؟۔ عرض کیا : ایسا تو ہے۔ فرمایا : یہی تو غیر اللہ کو رب بنالینا ہے۔ اس لئے کہ قانون سازی کا اختیار اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے' تحلیل و تحریم اللہ کا اختیارِ خصوصی (Prerogative) ہے۔ اور یہی اختیار جب کوئی قوم کسی اور کے سپرد کر دے تو گویا اس نے اس کو اپنا رب بنالیا ہے' "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کی حیثیت دے دی ہے۔

اب یہ نوٹ کیجئے کہ "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کی شکل پہلے کیا تھی اور اب کیا ہے؟

بدقسمتی سے عیسائیوں کے ہاں یہ معاملہ ہوا کہ سینٹ پال نے شریعت منسوخ کردی کہ "شریعتِ موسوی" اب ہم پر لاگو نہیں رہی۔ اس سے ایک خلا پیدا ہوگیا۔ اب اس خلا کو انہوں نے اس طرح پر کیا کہ "پوپ" کا اختیار تسلیم کرلیا گیا کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے دے اور جس چیز کو چاہے حرام قرار دے دے۔ چنانچہ پوپ خدا بن کر بیٹھ گیا۔ یہ بات تھی جس کو قرآن نے کہا کہ انہوں نے اپنے علماء اور احبار و رہبان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ" بنالیا ہے۔ آج آپ کے ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ پوری قوم نے تین سو آدمی منتخب کرکے پارلیمنٹ میں پہنچا دیئے۔ اب انہیں اختیار حاصل ہے کہ جس شے کو چاہیں حلال کردیں اور جس کو چاہیں حرام قرار دے دیں۔ تو آج کے دور میں "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ" کی حیثیت پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ آج جمہوری ملکوں میں پارلیمنٹ کا یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو دو مردوں کی شادی کو جائز قرار دے دے۔ اس طرح پارلیمنٹ کے جائز قرار دینے سے ہم جنسیت اور زنا بالرضا جائز قرار پاتے ہیں' کیونکہ پارلیمنٹ کسی آسمانی قانون کی پابند نہیں۔ تو اسی کے خلاف دعوت ہے جو سورۂ آل عمران کی اس آیت میں "وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کے الفاظ میں اہل کتاب کو دی جارہی ہے۔

اس حوالے سے یہ بات بہت اہم ہے کہ اگر کوئی اسلامی تحریک عالم مغرب میں اپنی سرگرمیاں جاری کررہی ہو اور وہاں اللہ تعالیٰ اسے فروغ بھی عطا کردے تو اسے بنیادی طور پر اس بات پر زور دینا چاہئے۔ میرے نزدیک ان کا یہ کہنا کہ ہم نظام خلافت یہاں قائم کرنا نہیں چاہتے' قرآن اور اسلام کے اصولی' آفاقی اور عالمی موقف سے انحراف ہے۔ جہاں بھی ایک تحریک سرگرم ہے وہاں اس کی کوشش ہونی چاہئے کہ یہاں یہ نظام قائم ہو۔ اور کیوں نہ ہو؟ کیا یہ زمین اللہ کی نہیں؟ یہ ساری زمین اللہ ہی کی ہے' اللہ ہی اس کا مالک ہے۔ چنانچہ میں نے "احیاء خلافت کانفرنس" میں ہونے والی اپنی تقریر کے لئے جو نقشہ خود تیار کیا تھا اس میں ان چیزوں کو بھی "Incorporate" کرنے کا خیال تھا' لیکن بعض وجوہات کی بنا پر وہاں بعض باتیں میں کہہ نہیں پایا۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہوا کہ میرا خیال تھا کہ وہاں جو کانفرنس اس بڑے پیمانے پر ہورہی ہے تو وہاں دوسرے مذاہب کے لوگ بھی

ہوں گے اور اسی خیال سے میں ان باتوں کو اپنی تقریر میں بیان کرنا چاہ رہا تھا' لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ تو خالص مسلمانوں کا ایک اجتماع تھا اور اس میں کسی عیسائی یا یہودی کی شرکت کا کوئی سوال ہی نہیں تھا بلکہ وہاں پر تو اس سے ایک بڑا "suspension" پیدا ہو چکا تھا۔ ثانیاً یہ معاملہ بھی ہوا کہ عین وقت پر آ کر مجھ سے اپنی تقریر مختصر کرنے کا کہا گیا کیونکہ پہلا سیشن ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا تھا۔ دوسرے سیشن میں پہلی تقریر میری تھی۔ تو اس میں سے کچھ کٹوتی کرنی پڑی۔ اس حوالے سے بھی مجھے فوری طور پر اپنی تقریر کا صغریٰ کبریٰ بدلنا پڑا۔ میں وہاں پر چند باتیں کہنی چاہ رہا تھا لیکن نہیں کہہ پایا۔ اب میں ان کو اختصار کے ساتھ یہاں پر بیان کر رہا ہوں اور میری کوشش ہو گی کہ میری اس گفتگو کے کیسٹس وہاں بھی پہنچیں اور وہاں پر ہمارے جو ہندو پاکستانی ساتھی اس تحریک میں کام کر رہے ہیں' یہ باتیں کم از کم ان کے علم میں ضرور آئیں اور وہ اس پر غور کر سکیں۔

خلافت کا مسئلہ قومی نہیں' عالمی ہے

پہلا نکتہ میں یہ بیان کرنا چاہتا تھا کہ خلافت کے اس مسئلے کو کسی قومی یا جغرافیائی رنگ اور تناظر میں نہ دیکھا جائے' یہ عالمی سطح کا مسئلہ ہے۔ اس کی بنیاد محض محدود قومی یا مذہبی نہیں عالمگیر (GLOBAL) بلکہ یونیورسل ہے۔ اس اعتبار سے میں نے اس کا تجزیہ اس طرح کیا تھا:

پوری نوع انسانی میں وہ لوگ جو کسی بھی نام سے کسی خالق کو مانتے ہیں وہ اصولاً خلافت کے قائل ہیں۔ ان کے اپنے خیال کے مطابق جو کوئی بھی اس کائنات کا خالق ہے' چاہے وہ اسے پرماتما کا نام دیں یا مہادیو کہیں' یا کوئی بھی نام دیں وہ تنہا اس کائنات کا خالق ہے۔ مکے کے بدترین مشرک بھی خالق ایک ہی مانتے تھے۔ وہ تسلیم کرتے تھے کہ پیدا کرنے والا ایک اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ یعنی "اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو لازماً کہیں گے اللہ نے!" تو جو کوئی بھی یہ مانتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے وہ گویا کہ اصولاً خلافت کا قائل ہے' چاہے اسے اس کا شعور نہ

ہو کہ اگر کوئی خالق ہے تو وہی مالک ہے اور وہی حاکم ہونا چاہئے۔ منطقی اعتبار سے یہ بالکل سیدھی سی بات ہے کہ جو خالق ہے وہی مالک ہو گا۔ تو پھر انسانوں کے لئے سوائے خلافت کی شکل کے اور کیا باقی رہ جائے گا؟ خالق وہی ہے تو مالک وہی' اور نتیجہ حاکم وہی۔ قرآن اس کو یوں بیان کرتا ہے : ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ یعنی "آگاہ ہو جاؤ اسی کے لئے کل تخلیق ہے اور اسی کے لئے کل حکم ہے۔ تخلیق اور حکم میں بڑا گہرا منطقی ربط ہے۔ سورۃ الملک میں فرمایا : ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا؟۔ اسی طرح کہا جائے گا : "اَلَا یَمْلِکُ مَنْ خَلَقَ" کیا وہی مالک نہ ہو گا جس نے پیدا کیا؟ جس نے پیدا کیا وہی مالک ہے' جو مالک ہے وہی الملک ہے۔ ﴿اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ﴾ اور اسی کے حوالے سے خاص طور پر عیسائیوں کے ہاں یہ بات ملتی ہے :

"Thy Kingdom Come.

Thy will be done on earth as it is in Heaven"

پھر یہ کہ جو کسی بھی خالق کو کسی بھی نام سے مانتے ہیں ان میں سے نسلِ انسانی کا کم از کم نصف حصہ عیسائیوں اور مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہودی تو خیر تعداد میں بہت تھوڑے ہیں لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں کو جمع کیا جائے تو یہ تعداد میں تین ارب بن جاتے ہیں جو پوری دنیا کی آبادی کا نصف ہے۔ دنیا کی یہ نصف آبادی نہ صرف یہ مانتی ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ایک ہے' بلکہ یہ بھی مانتی ہے کہ اس کی تخلیق کا نقطۂ عروج انسان ہے' جس میں اس نے اپنی روح میں سے پھونکا ہے۔ بائبل (Old Testament) کہتی ہے :

"And God created man in His own image"

اور حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں : "خَلَقَ اللّٰہ آدمَ علٰی صورتہ"۔ یہ سب کے سب لوگ اس کو مانتے ہیں کہ اللہ اپنے منتخب بندوں کے پاس اپنا کلام بھیجتا رہا ہے' اپنی ہدایت نازل کرتا رہا ہے۔ یہ وحی' نبوت' انبیاء اور کتب سب کو ماننے والے ہیں۔ چنانچہ ہزاروں نبی وہ ہیں جن پر یہودی' مسلمان اور عیسائی تینوں ایمان رکھتے ہیں' اگرچہ ہم نام صرف چند ایک کے جانتے ہیں۔ اور ہم مسلمان صرف اس وجہ سے ممتاز ہیں کہ باقی سب

انبیاء کے ساتھ ہم محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو بھی مانتے ہیں۔ ہم حضرت مسیحؑ کو بھی مانتے ہیں اور "Old Testament" میں جن نبیوں کا ذکر ہے ان سب پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ ان سب پر یہودی بھی ایمان رکھتے ہیں اور عیسائی بھی۔ پھر وہ شریعت کو بھی مانتے ہیں۔ عیسائی اگرچہ اپنے لئے شریعت کو منسوخ تصور کرتے ہیں لیکن مانتے تو ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو شریعت دی گئی تھی جسے وہ "Moses'Law" (موسیٰؑ کا قانون) کہتے ہیں' حالانکہ قانون تو موسیٰؑ کا نہیں' موسیٰؑ کو تو دیا گیا تھا' دینے والا اللہ ہے۔ تو جب اللہ نے قانون دیا ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہی ہے کہ اس قانون کو نافذ کیا جائے۔ گویا کم از کم ان تین مذاہب کے ماننے والوں کے لئے خلافت کا راستہ چھوڑنے کے لئے منطقی طور پر کوئی جواز ہے ہی نہیں۔ اگر اللہ کو مانتے ہیں' وحی' نبوت اور الہامی کتابوں کو مانتے ہیں' قانون اور شریعت کو مانتے ہیں تو اس ماننے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کو عملاً اختیار کرو۔ اور اس کا نام خلافت ہے۔

خلافتِ عامہ یا حاکمیتِ عوام؟

اس ضمن میں اسلام کی تکمیلی شان یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت تک یہ خلافت شخصی (Personal) رہی ہے۔ جو بھی نبی ہوتا وہ خلیفہ ہوتا۔ نبی کے پاس اللہ کا حکم آرہا ہے اور نبی اس کی تنفیذ کر رہا ہے۔ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں : "کَانَتْ بَنُوإِسْرَائيل تَسُوسُهم الاَنبياءُ كلما هلَكَ نبيٌّ خَلَفَهُ نبيٌّ" (متفق علیہ' عن ابی ہریرہؓ) یعنی "بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں ہوتی تھی' جب بھی کسی نبی کا انتقال ہوتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا۔" حضور ﷺ کے بعد اب خلافت شخصی نہیں رہی' اب یہ مسلمانوں کی اجتماعی خلافت ہے۔ اب کسی کے پاس حکم نہیں آرہا۔ حکم کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی شکل میں موجود ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ آج مجھ پر یہ حکم نازل ہوگیا ہے' آج مجھ پر یہ وحی آگئی ہے۔ جس نے یہ کہا وہ کافر ہوگیا' وہ ہم سے علیحدہ ہوگیا۔ حکم تو موجود ہے اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت۔ اب صرف مسلمانوں کے اجتماعی مشورے سے اس کی تنفیذ کا کام

ہو گا۔ اسی کا نام خلافت ہے۔

اس پر شیطان نے بھی ایک داؤ چلا ہے۔ کیونکہ۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ؐ سے شرار بو لہبی

شیطان نے چال یہ چلی کہ اگر محمد ﷺ کے بعد خلافت اجتماعی ہو گئی ہے تو میں حاکمیت کو اجتماعی بنا دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے خلافتِ عامہ (Popular Vicegerency) کے مقابلے میں حاکمیتِ جمہور (Popular Sovereignty) کا تصور پیش کر دیا۔ اس شیطانی تدبیر کی ایک مثال آپ کو ہندوستان کی تاریخ میں بھی ملے گی۔ ہندوستان میں مسلمان صوفیاء کے ذریعے اسلام کی تبلیغ کا جو سیلاب آ رہا تھا' ہندوؤں نے اس کا راستہ "بھگتی تحریک" کے ذریعے سے روک دیا۔ بھگت کبیر اور گورونانک وغیرہ نے خود اسلام کی بعض تعلیمات اپنا کر اسلام کی اس قوتِ تسخیر کو ناکام بنایا جس کی وجہ سے وہاں اسلام بجلی کی سی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ لوگوں کو بتایا گیا کہ جن خوبیوں کی وجہ سے تم اسلام کے پیچھے جا رہے ہو وہ تو ہمارے ہاں بھی ہیں' بھائی چارہ بھی ہے' اونچ نیچ اور ذات پات نہیں ہے' ہمارے نزدیک بھی خدا ایک ہے' تو چلو اپنے ہی گھر کے اندر بیٹھو' ہم یہ ساری چیزیں تمہیں یہیں فراہم کئے دیتے ہیں' خواہ مخواہ کس لئے محمد (ﷺ) کا کلمہ پڑھنا ہے؟ تو یہ جو بھگتی تحریک تھی دراصل اس نے اسلام کی تبلیغ کا راستہ روک دیا۔ اسی طرح شیطان نے جب یہ دیکھا کہ محمد ﷺ کی بعثت کے بعد خلافت شخصی کے بجائے اجتماعی ہو گئی ہے تو اس نے حاکمیت کو بھی شخصی کے بجائے اجتماعی بنا دیا۔ چنانچہ دنیا میں شخصی بادشاہت کی جگہ حاکمیتِ جمہور (Popular Sovereignty) کے تحت جمہوریت کا نظام قائم کر دیا گیا۔ گویا ع "ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس!"۔ یہ وہ بات ہے جو علامہ اقبال نے اپنی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں ابلیس کے ایک مشیر کی زبان سے نقل کی ہے۔ یہ علامہ کی آخری زمانے کی نظموں میں سے ہے اور مسلمانوں کے نام علامہ کا جو پیغام تھا اس کا جامع ترین مرقع اگر دیکھنا ہو تو وہ یہی آخری دور کی نظمیں ہیں۔ اور ظاہر بات ہے علامہ نبی نہیں تھے' مفکر تھے' اور جو شخص مفکر ہوتا ہے اس کے فکر میں ارتقاء ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا

ابتدائی دور وہ ہے جب وہ ہندی قومیت کے نعرے اور ترانے الاپ رہے تھے۔ ع "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا" اور "سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا" لیکن کسی فلسفی' مفکر اور حکیم کی مستند ترین بات وہ ہوگی جو آخری ہو۔ اور یہ علامہ کی آخری زمانے کی نظم ہے' جو ان کے مسلمانوں کے نام پیغام کے اعتبار سے جامع ترین ہے۔ اسی میں یہ شعر ہے کہ ابلیس کا ایک مشیر کہتا ہے۔

ہم نے خودشاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

اور آدم کو یہ خودشناسی اور خودنگری محمد ﷺ نے عطا کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "سَیِّدُ القومِ خَادِمُھُم" یعنی "قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے" کہاں کی بادشاہت اور کہاں کے یہ محل اور ایوان! ابوبکرؓ سید القوم ہیں' عمر فاروقؓ سید القوم ہیں' ان کے گھر جا کر دیکھ لو' ان کے کپڑوں پر دیکھ لو' پیوند لگے ہوئے ہیں۔ آگے چل کر ابلیس کا یہی مشیر کہتا ہے۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن' اندروں چنگیز سے تاریک تر!

تو یہ نظام در حقیقت اسلام کا راستہ روکنے کی ایک شکل تھی۔

یہ وہ چند باتیں تھیں جو میں وہاں کہنا چاہتا تھا لیکن نہیں کہہ پایا۔ بہرحال جو کچھ وہاں عرض کیا تھا وہ اپنی جگہ پر اہم ہے۔ اللہ کرے وہاں پر جو "حزب التحریر" کے کارکن ہیں وہ اس پر غور کریں اور میری یہ باتیں بھی ان تک پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہمت دے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

حزب التحریر کا موقف اور اس کا تجزیہ

اس ضمن میں "حزب التحریر" کا موقف یہ ہے کہ اِس وقت مغربی دنیا میں ان کی کیفیت دراصل ہجرت حبشہ کی سی ہے۔ ان کے نزدیک جیسے مکی دور میں آنحضور ﷺ کے کچھ صحابہ حضورؐ کی اجازت سے ہجرت فرما کر دو قافلوں کی شکل میں حبشہ چلے گئے اور

وہاں کچھ عرصہ رہے' یہی حیثیت ان کی عالم عیسائیت یا عالمِ مغرب میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کانفرنس میں جمال ہارون نے اپنی تقریر میں یہی موقف اختیار کیا ہے اور اپنی ساری گفتگو حضرت جعفر طیار ؓ کی زندگی کے حوالے سے کی ہے۔ تو اس خلافت کانفرنس میں خاص طور پر حضرت جعفر طیار ؓ کے حوالے سے ساری تقریر کا پس منظر یہی ہے کہ وہ اپنے اس طرزِ عمل کے لئے ہجرت حبشہ سے جواز لاتے ہیں کہ ہماری مشابہت ان کے ساتھ ہے' جیسے وہ لوگ حبشہ میں مقیم رہے ویسے ہم یہاں پر ہیں۔ انہوں نے حبشہ میں کوئی خلافت قائم نہیں کی اور نہ اس کے لئے کام کیا' خلافت کی جدوجہد تو حضور ﷺ نے عرب میں کی اور وہیں خلافت قائم ہوئی۔ تو یہ چھوٹی سی ظاہری مشابہت ان دنوں کے درمیان ہے۔ لیکن اگر ان کے موقف کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ مشابہت صحیح نہیں ہے' بلکہ یہ ایسا معاملہ ہے جسے منطق میں "قیاس مع الفارق" کہا جاتا ہے۔ یعنی بالکل متضاد چیزوں کو جوڑنے کی کوشش۔ اس ضمن میں' میں چاہتا ہوں آپ چند نکات نوٹ کر لیں۔

مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ جانے والے مسلمان سب کے سب وہ تھے جو شدید تعذیب (Persecution) کا شکار تھے۔ مکے میں دعوت شروع ہوئی تو انہوں نے شدید ماریں کھائیں' انہیں ستایا جا رہا تھا' ان پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا' لہٰذا وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے جہاں ان کی حیثیت صرف پناہ گزین کی تھی۔ ہجرتِ مدینہ اور ہجرتِ حبشہ میں یہی فرق ہے کہ ہجرت مدینہ میں پناہ گزینی والی بات نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اقدام کے لئے مدینہ منورہ میں ایک نیا base عطا فرمایا۔ اسی لئے ہجرت مدینہ فرض کر دی گئی تھی جبکہ ہجرت حبشہ فرض نہیں تھی۔ ہجرت حبشہ صرف اجازت کے درجے میں تھی کہ جو کوئی بھی اس تشدد و تعذیب کا تحمل نہیں کر سکتا' اسے برداشت نہیں کر سکتا اسے اجازت ہے کہ وہ حبشہ چلا جائے۔ حضور ﷺ خود حبشہ نہیں گئے۔ اس طرح کا معاملہ اگر ہو سکتا ہے تو وہ ان میں سے ان معدودے چند افراد کا ہو سکتا ہے جو واقعتاً اسی حالت میں مختلف عرب ممالک سے Persecution کا شکار ہو کر عالم مغرب میں گئے ہیں۔ چنانچہ انہیں مہاجرین حبشہ سے مشابہت حاصل ہے۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری حیثیت اس وقت وہی ہے جو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ جانے والے لوگوں کی تھی۔ لیکن یہ

بات واضح ہے کہ سارا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

حزب التحریر کے کارکنوں کی ایک بہت بڑی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو مغرب میں گئے تھے تو کسی تحریک یا دعوت سے متاثر ہو کر' ماریں کھا کر یا تکلیفیں جھیل کر نہیں گئے تھے' بلکہ حصولِ تعلیم کے لئے گئے تھے۔ جیسے پاکستان اور ہندوستان سے بے شمار نوجوان ۶۰ء اور ۷۰ء میں وہاں گئے' وہاں تعلیم حاصل کی اور وہیں آباد ہو گئے۔ اب وہاں ان کا معاملہ اس طرز کا نہیں ہے۔ پھر یہ کہ انہوں نے وہاں پر نیشنیلٹی حاصل کر لی اور اب یہ وہاں کے شہری ہیں۔ وہاں کے شہری ہونے کے اعتبار سے وہاں کے سارے حقوق اور ساری مراعات انہیں حاصل ہیں۔ پھر وہاں کی شہریت حاصل کرتے وقت وہاں کے دستور کے تحت جو حلف انہوں نے اٹھایا ہے اس اعتبار سے بھی زمین و آسمان کا فرق ہے ان مسلمانوں کی کیفیت میں جو پناہ گزین کی حیثیت میں ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے اور ان مسلمانوں کی حیثیت میں جو عالم مغرب میں اچھی معاش کی تلاش میں یا اپنی اچھی تعلیم اور کیریئر کے حصول کے لئے گئے اور پھر وہیں آباد ہو گئے۔ وہاں انہوں نے ان ممالک کے دساتیر کا حلف اٹھا کر وہاں کی قومیت اختیار کر لی اور اب وہاں کے حقوق سے فائدہ اٹھا رہے ہیں بلکہ بعض حالات میں وہاں کی ویلفیئر کی مراعات سے بھی استفادہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان مسلمانوں کا معاملہ بنیادی طور پر بالکل مختلف ہے۔ اب تو یہ وہاں کے شہری ہو گئے ہیں۔ اس اعتبار سے ان پر بھی وہاں کا حق ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے دین کی تعلیم تو یہ ہے کہ جس راستے پر آپ چل رہے ہوں اس راستے کا بھی آپ پر حق قائم ہو جاتا ہے۔ تو جس ملک میں جا کر آپ آباد ہو گئے ہیں اس ملک کا آپ پر حق ہے کہ آپ وہاں پر اللہ کا کلمہ بلند کریں اور وہاں پر اللہ کی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ باقی اقلیت اور اکثریت کا معاملہ ہمارے سامنے ہونا ہی نہیں چاہئے' کیونکہ ہمارے لئے اسوہ' نمونہ اور آئیڈیل محمد' رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ؐ نے جب کام شروع کیا تو آپ ؐ پورے جزیرہ نمائے عرب میں بلکہ پوری دنیا میں اکیلے تھے۔ اگر آپ ﷺ کا اسوہ اپنانا ہے اور آپ ؐ کے نقش قدم کی تقلید کرنی ہے تو اکثریت اور اقلیت کا کوئی سوال ہی نہیں۔

پھر یہ کہ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں جو تارکین وطن نہیں ہیں۔ جیسے اس خلافت

کانفرنس کے جو دو بڑے مقرر تھے وہ تو وہاں کے "Local Converts" ہیں اور وہ کہیں سے پناہ گزین ہو کر نہیں گئے۔ جمال ہاروڈ کینیڈین ہیں اور فرید قاسم برٹش ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اصل میں اسی قومیت سے تعلق ہے' جو "Sons of the Soil" ہیں۔ میرے نزدیک ان کا ابتدائی فرض یہ ہے کہ جس قوم سے ان کا تعلق ہے اس کو سب سے پہلے مخاطب کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف بھیجا ہے۔ یہ تو صرف محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی واحد مثال ہے جن کو پوری نوع انسانی کی طرف بھیجا گیا۔ اور دعوت کے ضمن میں آپؐ کو بھی ابتدائی حکم یہی دیا گیا: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ یعنی "پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجئے!" چنانچہ پہلے آپؐ نے دو مرتبہ بنو ہاشم کو کھانے پر بلایا اور ان کے سامنے دعوت پیش کی۔ دس برس تک آپؐ نے مکے سے باہر قدم نہیں نکالا۔ تو یہ اسوۂ رسول ﷺ ہے اور اس کے حوالے سے انہیں وہاں کام کرنا چاہئے۔ ٹھیک ہے' عالم اسلام کے لئے بھی جدوجہد جاری رکھیں' جہاں جہاں احیاء اسلام کی کوششیں ہو رہی ہیں ان سے تعاون کریں' انہیں تقویت پہنچائیں' لیکن جس سرزمین پر جاکر وہ آباد ہوگئے ہیں یا جہاں کے وہ "Sons of the Soil" ہیں اس سرزمین کا حق ان پر فائق ہے۔

پاکستان سے جاکر مغرب میں آباد ہو جانے والے پاکستانیوں سے میں یہی کہا کرتا ہوں کہ اللہ نے تمہیں پاکستان کی سرزمین پر پیدا کیا' ابتدائی طور پر وہاں کی خوراک تم نے کھائی ہے' وہاں سے تم نے ابتدائی تعلیم حاصل کی ہے۔ وہاں تمہارے اعزہ و اقرباء ہیں۔ آپ پر ان کے اور اس سرزمین کے حقوق ہیں۔ آپ ان سب کو چھوڑ کر یہاں آکر بیٹھ گئے کہ یہاں اچھی زندگی ہے' اچھا "status" اور اچھی مراعات ہیں اور کوستے ہیں پاکستان کو کہ وہاں جاکر کیا کریں؟ وہاں یہ برائی ہے' یہ برائی ہے۔ ٹھیک ہے یہاں برائیاں ہیں' لیکن یہ تو سوچیں کہ تمہارے اس وطن کی برائی کوئی اور آکر دور کرے گا؟ وہ ممالک جہاں تم آکر آباد ہوگئے ہو کیا وہاں کوئی برائی نہیں تھی؟ آپ چارلس ڈِکنز (Charles Dickens) کے زمانے کے ناول پڑھ لیں تو اندازہ ہو کہ اُس وقت انگلستان میں کون سی خرابی نہیں تھی جو آج ہمارے ہاں ہے۔ ساری خرابیاں موجود تھیں'

لیکن انہوں نے اپنی قوموں کی صفائی کی ہے' اپنے حالات کو بہتر کیا ہے۔

یہی بات میں نے وہاں اپنی تقریر میں بھی کہی تھی کہ جو لوگ یورپ کے ممالک سے ہسپانیہ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے تھے وہ وہاں پڑھنے کے بعد وہیں آباد نہیں ہوئے' وہ لوگ اپنے اپنے ملکوں جرمنی' فرانس اور اٹلی وغیرہ میں واپس آئے اور انہی کے زیر اثر پھر احیاء العلوم (Renaissance) اور اصلاحِ مذہب (Reformation) کی تحریکیں اٹھیں۔ جبکہ ہمارے لوگ یورپ اور امریکہ گئے تو وہیں جاکر آباد ہو گئے۔ ہمارا بہترین دماغ اور بہترین "talent" وہاں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ان کی باتوں میں وزن ہے کہ اگر وہ یہاں آئیں تو انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہاں جو جغادری قسم کے لوگ سروسز کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں وہ ٹیلنٹ کو آتا ہوا دیکھ نہیں سکتے۔ انہیں معلوم ہے کہ اس طرح ہماری نااہلی واضح ہو جائے گی۔ یہ سب کچھ درست ہے' لیکن قوموں کے لئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

بہرحال یہ تو مسئلہ ان کا ہے جو پاکستان سے جاکر وہاں آباد ہوئے ہیں۔ لیکن جو لوگ آباد ہو گئے ہیں ان سے میں کہتا ہوں کہ اگر تو آپ طے کر لیتے ہیں کہ "اِنَّ صَلَاتِی وَ نُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ "یعنی "بے شک میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے"' اور خواہ ہم بھوکے مرجائیں لیکن آئیں گے اور پاکستان میں کام کریں گے' تاکہ پاکستان کو مستحکم بھی کریں اور یہاں اسلامی انقلاب لائیں' تب تو ضرور آیئے۔ لیکن اگر کاروبار کی نیت سے آنا ہے تو آپ وہیں بیٹھئے' وہیں آپ کو کاروبار کے اچھے ماحول میسر ہیں' ملازمتیں کرنی ہیں تو پھر وہیں کیجئے۔ اور اگر دین کے لئے لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں اترنا ہے تو پھر ضرور آیئے' پھر آپ کا میدان کار پاکستان ہے۔ بہرحال جو لوگ وہاں آباد ہو گئے اور جنہیں وہاں رہنا ہے اور جو لوگ خاص طور پر جو لوگ وہیں کے ہیں انہیں تو بہرصورت وہیں کام کرنا ہے۔ لہٰذا ان کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے اپنے ممالک میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر دعوت کا بیڑا اٹھائیں اور اس کے لئے سختیاں جھیلیں' اس راہ میں جو مصائب آئیں وہ برداشت کریں۔ کیونکہ اس راہ میں مصائب تو آتے ہی ہیں۔ از روئے الفاظ قرآنی :

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ" (البقرہ : ۱۵۵) "اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے' اور مالوں' جانوں اور ثمرات میں کمی سے۔ اور اے نبی! بشارت دے دیجئے صبر کرنے والوں کو۔" تو اس کے لئے انسان کو ذہناً تیار رہونا چاہیے۔

دورِ نبوی ﷺ میں مسلمانوں کی ہجرت حبشہ اور آج کے دور میں مغربی ممالک میں اسلامی تحریک کے قیام کے ہیں۔ دوسرا بہت بڑا اور انتہائی اہم فرق یہ ہے کہ حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشیؓ وہ تو اسلام لے لئے تھے۔ اس اعتبار سے اس ملک میں رہنا کسی کافرانہ حکومت کے تحت رہنے کے مترادف نہیں تھا۔ اور اس وقت تک ابھی پوری شریعت بھی حضور ﷺ پر نازل نہیں ہوئی تھی۔ شریعت تو مدنی دور میں جاکر نازل ہونی تھی' چنانچہ عرب میں بھی قوانین کے نفاذ کا معاملہ تو مدنی دور کے بعد آنا تھا۔ گویا اُس وقت کے معیارات کے اعتبار سے تو وہ اسلامی ریاست بن گئی تھی۔ جبکہ آج کے مغربی ممالک تو بدترین کفر کے گڑھ ہیں۔ یہاں تو سیکولرزم اور "Popular Democracy" کی بنیاد پر نظام قائم ہے۔ تو کیا اس باطل نظام کے تحت زندہ رہنا اور اس کے خلاف آواز نہ اٹھانا جائز ہے؟

خلافت کانفرنس کا اِعلامیہ اور اس سے اتفاق و اختلاف

خلافت کانفرنس کے اختتام پر "حزب التحریر" کی طرف سے جو اعلامیہ جاری کیا گیا اس پر میرے دستخط موجود نہیں تھے' کیونکہ میں اس آخری اجلاس میں موجود نہیں تھا' لیکن اس حوالے سے مجھے خاص طور پر اس کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ ان میں سے بعض چیزوں سے مجھے اتفاق بھی ہے اور بعض چیزوں کے ساتھ میری کچھ reservations بھی ہیں۔ اس ڈیکلریشن میں تمام مسلمان حکومتوں کو ناجائز (illegitimate) قرار دینا بالکل صحیح ہے۔ ایک اعتبار سے یہ واقعتاً illegitimate ہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مغرب کی حکومتیں جائز (legitimate) ہیں؟ کیا یہ اسلام کی رو سے

صحیح حکومتیں ہیں؟ ظاہربات ہے سب سے بڑے کفر کے گڑھ تو وہ ہیں' اس لئے کہ جب ہم مانتے ہیں کہ کُل کائنات کا خالق' مالک اور حاکم اللہ ہے تو اسلام کے نقطۂ نگاہ سے تو صرف وہ حکومت legitimate قرار پاتی ہے جہاں اللہ کی حاکمیت اور مسلمانوں کی خلافت کا نظام قائم ہوگا۔ جہاں بھی یہ نظام نہیں ہے' چاہے وہ بظاہر مسلمانوں کی اکثریت کا ملک ہو اور چاہے وہ عیسائیوں یا ہندوؤں کی اکثریت کا ملک ہو وہاں کا نظام illegitimate کے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے برطانیہ کی حکومت بھی اتنی ہی illegitimate ہے جتنی کہ سعودی عرب یا کسی اور مسلمان ملک کی حکومت۔ لیکن صرف عالم اسلامی کی حکومتوں کے illegitimate ہونے کا اعلان تو زور و شور کے ساتھ کیا جائے اور جہاں خود بیٹھے ہوئے ہیں' جو کفر کے گڑھ ہیں۔ ان کے illegitimate ہونے کے بارے میں زبان نہ کھولی جائے تو یہ میرے نزدیک تناقض اور تضاد ہے۔ روئے زمین پر جہاں بھی اللہ کی حکومت نہیں ہے وہاں کی حکومت غیر اسلامی اور کافرانہ ہے اور اللہ کے خلاف بغاوت پر مبنی ہے۔ سورۃ الروم کی آیت ہے : ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ یعنی "بر و بحر میں فساد پھیل گیا ہے لوگوں کے اپنے کرتوتوں کے باعث۔" اس وقت واقعتاً صورت یہی ہے کہ بر و بحر میں فساد ہے۔ "بر و بحر" کی جگہ "عالم کفر اور عالم اسلام" کے الفاظ رکھ لیجئے' دونوں میں فساد ہے اور کہیں بھی اسلام کا نظام بتمام و کمال قائم نہیں ہے۔ چنانچہ illegitimation تو ان میں قدر مشترک ہے' بلکہ عالم کفر میں کچھ آگے بڑھ کر ہے۔ یہاں عالم اسلام میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ اسلامی قوانین موجود ہیں' سعودی عرب اور ایران میں کسی قدر اسلامی قوانین رائج ہیں' کچھ پیش رفت سوڈان میں بھی ہوئی ہے' بعض دیگر ممالک میں کچھ اور چیزیں بھی ہیں' پھر شعائر اللہ ہیں مسجدیں موجود ہیں' نمازیں پڑھی جا رہی ہیں' جمعہ اور جماعت کا نظام قائم ہے۔ اس اعتبار سے ایک مسلمان معاشرہ تو کسی درجے میں موجود ہے' لیکن وہاں عالم مغرب میں جو کچھ ہے وہ تو سراسر کفر ہی کفر ہے' "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کے مصداق اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ اس حوالے سے وہاں بیٹھ کر صرف مسلم ممالک کی بات کرنا مناسب نہیں ہے' جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ہجرت حبشہ کا معاملہ بھی ان کے معاملے

سے بنیادی نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھا۔

اسی حوالے سے میں نے ایک بات کہی تھی کہ پوری دنیا میں پاکستان واحد ملک ہے جہاں چاہے اسلام پر عمل نہیں ہے، اسلام احکام کی تعمیل نہیں ہے، اسلامی کی تنفیذ نہیں ہے لیکن کم از کم اس کے دستور میں آج کی تاریخ تک "قرار دادِ مقاصد" موجود ہے جس میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار کیا گیا ہے، جو اس وقت دنیا میں کسی ملک کے دستور کے اندر موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں کے کسی ملک کے دستور میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ "یہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہے"۔ لیکن یہاں تو "Technical Terminology" میں صراحت کی گئی ہے کہ حاکمیت اللہ کی ہے، ہم حاکمیت (Sovereignty) کے مدعی نہیں ہیں اور ہمارے پاس جو اختیار ہے یہ اللہ کی طرف سے ودیعت شدہ (delegated) ہے اور یہ اسی کے عائد کردہ حدود و قیود کے اندر استعمال ہوگا۔ اس حوالے سے ہمیں اپنی خوش بختی پر ناز کرنا چاہئے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے پہلو ایسے ہیں جن میں ہمیں فضیلت دی گئی ہے۔ ہمیں یہاں جو حقوق حاصل ہیں وہ عالم اسلام کے بیشتر ممالک میں حاصل نہیں ہیں۔ چنانچہ جب ہم ان حقوق کا استعمال کرتے ہوئے اللہ کے دین کے لئے کام نہیں کرتے تو ہم اللہ کی نگاہ میں زیادہ بڑے مجرم ہیں۔ یہاں ہم جماعت بنا سکتے ہیں، جلسے کر سکتے ہیں، جلوس نکال سکتے ہیں۔ توڑ پھوڑ نہ کیجئے، جلوس نکالیئے، لوگوں تک اپنی بات پہنچایئے۔ ابلاغ کے ذرائع جو بھی آپ کے پاس ہیں انہیں استعمال کیجئے۔ پمفلٹ اور رسائل شائع کیجئے، کتابیں شائع کیجئے، اجتماعات منعقد کیجئے، تنظیم بنایئے۔ یہ سارے حقوق سعودی عرب وغیرہ میں کسی کو حاصل نہیں۔ چند سال پہلے میں جب لیبیا گیا تو وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہاں داڑھی رکھنا جرم ہے۔ لیبیا جیسے ملک میں اگر کوئی شخص پانچ وقت باجماعت نماز پڑھتا ہے تو اس کی رپورٹ ہو جاتی ہے کہ یہ کوئی خطرناک شخص ہے۔ لہٰذا جو لوگ باجماعت نماز کی پابندی کرنا چاہتے ہیں تو وہ مختلف نمازیں مختلف مساجد میں جا کر پڑھتے ہیں کہ کہیں امام صاحب رپورٹ نہ کر دیں کہ یہ شخص مسجد میں آ کر پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے۔ تو یہ حالات ہیں اس وقت نام نہاد مسلمان ممالک کے۔ اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہم قدر نہیں کر رہے کہ ہمارے ملک کے اندر کہیں

بہتر حالات ہیں۔ لیکن ہم لگے ہوئے ہیں اپنے دھندوں میں' اپنی جائیدادیں بنانے میں اور دولت کمانے میں' ہم اپنے مسائل اور مشکلات میں سرگرداں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ ہم نے دین کو اپنے سامنے مقصود کی حیثیت سے رکھا ہی نہیں۔ چنانچہ ہم اللہ کی نگاہ میں ان سے زیادہ مجرم ہوں گے۔ وہاں کے عوام تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کیا کرتے؟ ہم تو جابروں کے پلے پڑے ہوئے تھے' ہم پر تو ڈکٹیٹر مسلط تھے' لیکن ہم ایسا کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے۔ بہرحال اس پہلو سے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان مغربی ممالک میں کام کرتے ہوئے اپنے آپ کو اگر مہاجرین حبشہ پر قیاس کیا جا رہا ہے تو وہ میرے نزدیک "قیاس مع الفارق" ہے۔ بلکہ میں تو اس کا ماتم کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا بہت بڑا ٹیلنٹ ان مغربی ممالک میں چلا گیا ہے۔ مجھے وہ شعر یاد آتا ہے جو کبھی اقبال نے کہا تھا۔

مگر وہ علم کے موتی' کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

ہماری ساری کتابیں بلکہ اکثر لائبریریاں وہاں چلی گئیں۔ عالم عرب کے تمام بہترین کتب خانے وہاں منتقل ہو گئے۔ اور آج ہمیں پاکستان' ہندوستان اور عالم عرب کے بہترین صلاحیتوں والے لوگ وہاں کام کرتے نظر آ رہے ہیں۔ مغربی ممالک کو ان کی عمدہ صلاحیتیں سستے داموں ملی ہوئی ہیں۔ یہ وہاں پر بڑی محنت اور جدوجہد کے ساتھ کام کرتے ہیں' کیونکہ وہاں جاتے ہی قرضوں کے اندر جکڑے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنا جو بھی مصنوعی status بنالیا ہوتا ہے اسے برقرار رکھنے کے لئے شدید مشقت کرنا پڑتی ہے۔ مثلاً وہاں آپ نے "Mortgage" کی بنیاد پر بڑا اعلیٰ مکان لے لیا ہے' تو اب اگر اس کا سود نہیں دیں گے تو آپ کا پہلا ادا شدہ سرمایہ بھی ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا وہاں جا کر وہ سونے کی زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں۔ وہاں پر ہر شخص کا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے اور وہ وہاں سے ہل نہیں سکتا۔

۱۹۷۹ء میں جب میں پہلی مرتبہ امریکہ گیا تھا تو وہاں ایک پاکستانی ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تو اب وطن واپس چلا جاؤں گا' میں یہاں نہیں رہوں گا۔ اگلے سال ۸۰ء میں میں دوبارہ گیا تو وہ پھر یہی رونا رو رہے تھے کہ میں تو یہاں نہیں رہوں گا' چلا جاؤں گا۔

پھر یہی بات انہوں نے ۸۱ء اور ۸۲ء میں بھی کہی۔ آخر میں نے ان سے کہا کہ آپ نے کیا تماشا بنا رکھا ہے؟ میں ہر سال آتا ہوں اور آپ سے یہی بات سنتا ہوں! اس پر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے بڑی دردمندی سے کہا: "ڈاکٹر صاحب! یہ جو امریکی ہیں یہ دو سو سال پہلے جب افریقہ کے حبشیوں کو غلام بنا کر لے کر آئے تھے تو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر لائے تھے اور ہمیں انہوں نے یہاں لا کر سونے کی زنجیروں میں باندھ دیا ہے۔" (اللہ کا شکر ہے کہ یہ ڈاکٹر شوکت صاحب ان سنہری زنجیروں سے آزاد ہو کر پاکستان واپس آ گئے ہیں اور اس وقت اتفاق ہسپتال میں آئی سرجن کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔)

عالمِ مغرب میں کرنے کا اصل کام

میرے نزدیک وہاں پر اصل کام اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی تحریک کو اٹھانا ہے' جو وہاں نہیں ہو رہا ہے۔ مسلمان تارکین وطن کے پیش نظر وہاں جو کام ہوتے ہیں وہ یہی ہیں کہ بس اپنی کوئی کمیونٹی آرگنائزیشن بنالی جائے' یا مسلمانوں کی بہبود کے لئے سوشل ورک کے کام ہوں' یا اپنی تعلیم کے ادارے علیحدہ بنالئے جائیں۔ یہ سارے کام بھی قیمتی ہیں' ان کے ضمن میں' میں بعد میں عرض کروں گا' لیکن اصل ضرورت تو یہ ہے کہ وہاں بھی اقامتِ دین کا علم بلند کیا جائے۔ آخر وہ بھی اللہ کی زمین ہے اور بڑی ہی زرخیز سرزمین ہے۔ امریکہ جا کر دیکھئے تو سہی کہ وہاں پر کیا کیا نعمتوں کی بارش ہوئی ہے۔ کتنے میٹھے پانی کے سمندر اللہ نے وہاں رکھے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں جو وسیع و عریض جھیلیں ہیں' وہ جھیل مشی گن ہو یا کوئی اور ہو' یوں سمجھئے کہ میٹھے پانی کے سمندر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کے اندر اتنے دریا' اتنی خوش حالی' اتنی سیرابی اور دولت کے اس قدر انبار رکھے ہوئے ہیں تو اس سرزمین میں جا کر اقامتِ دین کی جدوجہد کیوں نہ ہو؟ اس زمین پر اللہ کے دین کو قائم کرنے کی سعی و کوشش کیوں نہ ہو؟

اس پہلو سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر حزب التحریر اور تنظیم اسلامی مل کر امریکہ اور یورپ میں دین کی انقلابی دعوت لے کر کھڑے ہو جائیں تو یہ واقعی کرنے کا کام ہے۔ ہم تو

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے "مکلف" ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری یہ باتیں حزب التحریر کے کارکنوں تک پہنچیں گی۔ ان باتوں میں اصل جذبہ یہ کارفرما ہے کہ جو کرنے کا اصل کام ہے اس کی طرف انہیں متوجہ کیا جائے۔ مسلمان ممالک میں جو کچھ ہو رہا ہے صرف اس کے بارے میں وہاں بیٹھ کر بات نہ کی جائے' بلکہ خود وہاں پر اقامت دین کی انقلابی جدوجہد کا آغاز کیا جائے۔ جو لوگ بھی وہاں جاکر آباد ہو گئے ہیں میرے نزدیک ان کے لئے تو یہ فرض عین ہے' اس لئے کہ اب وہ اس قوم کا ایک جزو بن گئے ہیں۔ صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کام کافی نہیں۔

البتہ جہاں تک مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا تعلق ہے اس کے ضمن میں بھی میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور یہ میرا حزب التحریر کے ساتھ دوسرا نکتہ اختلاف ہے۔ حزب التحریر کے کارکنوں میں ایک انتہاپسندی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کے نزدیک مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں' وہ اسے بالکل بے کار کام سمجھتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کیٹ سٹیونز کا نام سنا ہو گا' جو انگلستان کے بہت بڑے پاپ سنگر تھے۔ چند سال پہلے انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اب ان کا نام یوسف اسلام ہے۔ انہوں نے وہاں بڑا کام شروع کیا ہے۔ ایک ہائی سکول بنایا ہے' تعلیم و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ پھر "Muslim Aid" کے نام سے ادارہ بنایا ہے تاکہ جہاں بھی مسلمانوں کے لئے کوئی مشکلات ہوتی ہیں ان کی مدد کی جائے۔ اب حزب التحریر والے اس کام کے بھی خلاف ہیں کہ یہ بھی کوئی کام ہے؟ کرنے کا کام تو یہ ہے کہ خلافت کا نظام قائم کیا جائے۔ یہ بات ایک درجہ میں صحیح بھی ہے۔ اور اگر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کام کی نفی نہ کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اصل کرنے کا کام یہ ہے کہ خلافت کا نظام قائم کرو تو اسے انتہاپسندی نہیں کہا جائے گا۔ یہ بات صد فیصد درست ہے کہ آج مسلمانوں پر جو بھی مصیبتیں آ رہی ہیں وہ اصل میں اللہ کی طرف سے سزا ہے' اس لئے کہ اصل کام جو ہمارے کرنے کا تھا وہ ہم نہیں کر رہے۔ اللہ نے تو ہمارے ذمہ یہ کام لگایا تھا کہ پوری نوع انسانی کو اسلام کی دعوت دو۔ ہمارا تو فرض منصبی ہی یہ بیان ہوا ہے :

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

"تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے' تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہو۔"

تمہارا کام "اقامتِ دین" ہے جس کا بایں الفاظ حکم دیا گیا :

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشوری : ۱۳)

"اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے' اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں۔ (اس تاکید کے ساتھ) کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔"

تمام انبیاء و رسل کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور یہی کام اب تمہیں کرنا ہے۔ ہم نے رسول بھیجے ہی اس لئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظامِ عدل و قسط کو قائم کریں۔

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (الحدید : ۲۵)

"اور ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا' اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔"

یہ تمام کام تمہارے ذمے تھے' اگر تم یہ تمام کام نہیں کر رہے ہو تو سزا ملے گی۔ جیسے یہودیوں کو سزا ملی ایسے تمہیں بھی سزا ملے گی۔ اس موضوع پر تو میں نے کئی بار اظہار خیال کیا ہے کہ آج کے "مَغضُوب عَلَيهِم" ہم ہیں۔ آج اللہ کا غضب ہم پر ہے' اس لئے کہ امتِ مسلمہ کی حیثیت سے ہمارا جو فرض منصبی تھا وہ ہم نے ادا نہیں کیا۔ اگر بات یہاں تک رکھی جائے تو اس کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں۔ چنانچہ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سزا کا کوڑا فرض کیجئے کہیں صومالیہ میں پڑا ہے تو اب وہاں خوراک کا انتظام کرنا اور امدادی سامان پہنچانا بھی تو کرنے کا ایک کام ہے۔ اس کو

"denounce" نہ کیجئے۔ کسی مسلمان پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کی مدد کرنا آپ کا فرض ہے' لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی صحیح ہے کہ یہ پھوڑے جو جسم کے مختلف حصوں پر نکلتے ہیں' کبھی ٹانگ پر نکل آیا تو کبھی بازو پر' اس کا اصل علاج یہ ہے کہ اس فساد خون کی اصلاح کیجئے جس کی وجہ سے پھوڑے نکل رہے ہیں۔ اگر خون صاف نہیں ہو گا تو پھوڑے نکلتے رہیں گے۔ لیکن بہرحال خود پھوڑوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا جانا چاہئے' ان پر بھی کوئی مرہم رکھئے' کوئی پلاسٹر باندھئے' ان میں ہونے والے درد کا بھی کوئی مداوا کیجئے۔ اسی طرح اصل علاج تو واقعتاً یہی ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کی جائے' لہٰذا اس کے تقاضے پورے کئے جائیں' لیکن بہرحال اس کے ساتھ اس طرح کی کوششوں کی نفی نہیں ہونی چاہئے۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ اور جب وہ سب کے سب قانوناً تو مسلمان ہیں تو مسلمان کی حیثیت سے' جس درجے میں بھی ہو سکے' ان کے حقوق ادا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

بدقسمتی سے یہ انتہاپسندی اکثر "radical" تنظیموں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی کے فکر کے بارے میں بھی میں نے یہ بات تقریر و تحریر میں بیان کی ہے کہ ان میں بھی ایک انتہاپسندی تھی۔ انہوں نے تحریک پاکستان سے اس لئے علیحدگی اختیار کی کہ "مسلمانوں" کی حکومت بننے سے کیا فائدہ ہو گا؟ "اسلام" کی حکومت قائم ہونی چاہئے۔ یہ بات صحیح ہے' لیکن بہرحال ہندو اکثریت کے تسلط سے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش بھی تو ایک اچھا کام تھا۔ اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ بنی اسرائیل جیسی بگڑی ہوئی قوم کو فرعون کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ اس قوم کی بدبختی کا ذرا تصور کیجئے کہ حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر انہیں سالہا سال کی دعوت' تذکیر اور نصیحت فرماتے رہے' ان کے تزکیہ کی کوشش کرتے رہے' پھر وہ بڑے بڑے معجزے جو آل فرعون کو دکھائے گئے وہ سارے بنی اسرائیل نے بھی دیکھے اور پھر فرعون کے خاتمے کے بعد کتنے بڑے بڑے نو معجزے مزید دیکھے۔ ایک چٹان پر عصائے موسوی کی ایک ضرب لگی اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ بھوک لگی تو مَنّ و سلویٰ نازل ہو گیا۔ صحرا کے اندر جہاں جا رہے ہیں ابر کا سائبان ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اسی طرح تین اور

بڑے معجزے دیکھ لئے لیکن اس کے باوجود یہ اتنی نا ہنجار قوم تھی کہ جب کہا گیا کہ جنگ کے لئے میدان میں آؤ تو کورا جواب دے دیا۔ اندازہ کیجئے کہ چھ لاکھ کی پوری قوم اللہ کے رسول کو صاف جواب دے رہی ہے۔ کتنی نا ہنجار قوم تھی' لیکن بہرحال مسلمان قوم تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسے آل فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے بھیجا گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی دنیوی بہبود کا کام بھی کوئی برا کام نہیں ہے' یہ بھی ایک کام ہے اور اس کی نفی نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اکثر تنظیموں کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جب تک دوسری ساری باتوں کی نفی نہ کرلیں شاید ان کی تسکین نہیں ہوپاتی۔ یا یہ بھی ایک اصول ہے کہ عام طور پر انتہاپسندی کے نتیجے میں کوئی تحریک جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ مثلاً سپاہ صحابہؓ ایک انتہا پسندانہ نعرہ لے کر میدان میں اتری "کافر کافر شیعہ کافر" تو یہ تحریک جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ آپ معتدل بات کیجئے تو اکثر و بیشتر لوگ قبول ہی نہیں کریں گے' لیکن آخری درجے کی' جذباتی انداز کی بات کیجئے تو لوگ فوراً جمع ہوں گے۔ اس حوالے سے اکثر تحریکیں انتہاپسند ہو جاتی ہیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ حزب التحریر میں بھی یہ انتہاپسندی موجود ہے۔ اگرچہ میں نے اس ضمن میں وہاں کچھ لوگوں سے گفتگو بھی کی ہے اور اپنی تقریروں میں بھی اس طرف توجہ دلائی ہے اور انہیں کچھ نہ کچھ اعتدال کی طرف لانے کی کوشش کی ہے اور اس کا میں نے کچھ اثر بھی دیکھا ہے۔ البتہ تحریک کے عام کارکنوں کے اندر اس طرح کی انتہاپسندی کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی تعلیم کے بندوبست کے سلسلے میں کسی مساعی اور جدوجہد کی بھی سرے سے نفی کر دینا میرے نزدیک انتہاپسندانہ نقطۂ نظر ہے۔

چند قابلِ اصلاح امور

اختلافات کے ضمن میں اب کچھ ثانوی درجے کی چیزیں ہیں۔ یہ بات میں نے ان کے سامنے رکھی بھی ہے کہ کسی اسلامی تحریک کے ضمن میں اصطلاحات ٹھیٹھ قرآن اور سنت کی ہونی چاہئیں۔ چنانچہ سب سے پہلے نام کا معاملہ لیجئے۔ "حزب التحریر" نہ قرآن کا نام ہے نہ

سنت کا' اور نہ ہی ہمارے اَسلاف میں کہیں یہ نام ملتا ہے۔ اکثر لوگوں کی تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ حزب التحریر کا مطلب کیا ہے۔ اردو میں تو "تحریر" کے ایک ہی معنی ہیں : لکھنا۔ اس سے اس نام کے بارے میں مغالطہ ہوتا ہے کہ کیا یہ لکھنے والوں کی کوئی جماعت ہے؟ کیا مصنفین اور رائٹرز کی جماعت ہے؟ البتہ عربی میں تحریر کے معنی آزاد کرانا (to liberate) ہیں۔ میں نے جب اس کے بارے میں غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ چونکہ اس کی تاسیس ۱۹۵۳ء میں ہوئی تھی' جبکہ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل قائم ہو چکا تھا' یہودیوں اور عربوں کی پہلی جنگ ۱۹۴۸ء ہی میں ہوئی تھی جس میں عربوں کو شکست اور یہودیوں کو فتح ہوئی تھی' لہٰذا اس وقت غالباً تقی الدین نبہانیؒ نے مسلمانوں اور خاص طور پر عربوں کو یہ راستہ دکھانا چاہا تھا کہ فلسطین کو آزاد (liberate) کرانے کا راستہ یہ نہیں ہے جو تم نے اختیار کیا ہے' بلکہ فلسطین کو آزاد کرانے کا راستہ یہ ہے کہ پہلے اسلام کا نظام خلافت قائم کرو' تب کہیں جا کر یہ سارے مسائل حل ہوں گے۔ یہ میرا اپنا قیاس ہے۔ غالباً اس وجہ سے اس کا نام "حزب التحریر" (یعنی Liberation Party) رکھا گیا کہ فلسطین کو آزاد کرانے اور مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل یہ ہے کہ نظام خلافت قائم ہو۔ مسلمان پہلے اللہ کی حکومت قائم کریں' پورے عالم اسلام کو ایک خلیفہ کے تحت لائیں' تبھی جا کر یہ مسائل حل ہوں گے۔ اس حد تک تو بات صحیح ہے۔ اس لئے کہ فلسطین کا مسئلہ آج تک حل نہیں ہو سکا۔ اب یہ ہوا ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ صرف شہروں کے اندر محدود سی آزادی ملی ہے جس پر بڑی بغلیں بجائی جا رہی ہیں۔ حالانکہ اس کی کوئی حیثیت سرے سے ہے ہی نہیں اور اس معاہدے میں یروشلم کا تو سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہے۔ یہ محدود سی آزادی بھی صرف غزہ اور اریحا' جسے "جریکو" کہتے ہیں' تک محدود ہے۔ فلسطین کی آزادی کے حوالے سے اس کا نام "حزب التحریر" درست تھا' لیکن جب اس کو عالمی انقلابی تحریک بنا دیا گیا ہے تو اب اس کا نام بدلنا چاہئے۔ اب اس کا نام "تحریک خلافت" یا "حزب الخلافہ" ہونا چاہئے۔

اسی طرح ان کے ہاں ایک اصطلاح "تثقیف" استعمال ہوتی ہے' جسے وہ انقلاب کے مراحل میں شمار کرتے ہیں۔ جس طرح میں نے سیرت النبی ﷺ سے تجزیہ کر کے

انقلاب کے چھ مراحل بیان کئے ہیں' اور آپ کو معلوم ہے کہ اس موضوع پر میری مفصل کتاب "منہج انقلاب نبوی ﷺ" موجود ہے' اسی طرح تقی الدین نبہانیؒ نے بھی انقلاب کو تین مراحل میں بیان کیا ہے۔ پہلے مرحلے کے لئے انہوں نے "تثقیف" کی اصطلاح استعمال کی ہے جس میں دعوت' تذکیر' نصیحت اور تزکیہ سب کو جمع کیا ہے۔ اب "تثقیف" کا لفظ سرے سے نہ قرآن میں آیا ہے نہ حدیث میں۔ یہ کوئی دینی اصطلاح ہے ہی نہیں۔ "تثقیف" بنا ہے "ثقافت" سے۔ یعنی اسلامی ثقافت پیدا کرنا۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپ کسی کو اسلامی ثقافت کے دائرے میں لانا چاہیں گے تو اس کی سوچ اور اس کی فکر بدلیں گے' اس کے نظریات بدلیں گے' اس کے طرز عمل میں تبدیلی لائیں گے اور یہ اصطلاح اگرچہ ان سب باتوں کا احاطہ تو کرتی ہے لیکن بہرحال یہ قرآن و سنت کی اصطلاح نہیں ہے' جبکہ ہمارے پاس قرآن و سنت کی متعدد اصطلاحات موجود ہیں۔ مثلاً "دعوت" ہے' جس کے بارے میں فرمایا گیا: "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ" پھر تزکیہ ہے: "یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ" چنانچہ ایک دینی تحریک کو اصطلاحات بھی قرآن و سنت ہی کی اختیار کرنی چاہئیں۔

چوتھی چیز جو "حزب التحریر" میں مجھے قابل اصلاح نظر آئی ہے وہ یہ ہے کہ بعض دوسری دینی تحریکوں کی طرح وہاں بھی اس پر کوئی زور نہیں ہے کہ جو غیر عرب اس میں شامل ہو رہے ہیں ان کو توجہ دلائی جائے کہ وہ عربی زبان سیکھیں اور اپنی آنکھوں سے قرآن پڑھیں۔ اب ظاہر ہے کہ جو عرب ہیں ان کی زبان تو عربی ہے' وہ قرآن و حدیث اور دوسرے دینی لٹریچر کا براہ راست مطالعہ کر سکتے ہیں' لیکن جو پاکستانی' ہندوستانی یا دوسرے غیر عرب ممالک کے مسلمان اس میں شامل ہوئے ہیں' ان کی زبان تو عربی نہیں ہے' لہٰذا انہیں عربی سیکھنے پر زور دینا چاہئے۔ لیکن وہاں میں نے اس کا فقدان پایا۔ ایک صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو ان کی گفتگو سے میں متاثر بھی ہوا۔ ڈاکٹر عبدالباسط ان کا نام تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ یہاں کتنے سال سے کام کر رہے ہیں؟ کہنے لگے: چھ سات سال ہو گئے ہیں مجھے کام کرتے ہوئے۔ میں نے کہا: آپ نے عربی سیکھی ہے؟ کہنے لگے: عربی تو میں نے نہیں سیکھی۔ بلکہ بعض حضرات نے تو یہ تک کہا کہ اس کی ضرورت کیا ہے؟ تو یہ چیز

بھی میرے نزدیک در حقیقت قابل اصلاح ہے۔ جب تک انسان اپنی آنکھ سے قرآن نہیں پڑھے گا اس وقت تک اس میں صحیح اور غلط کا شعور پیدا نہیں ہو گا۔ کسی ایک مصنف کی کتابیں پڑھ کر وہ اس کے نظریہ سے متفق ہو جائے گا اور یہ باتیں اسے ازبر ہو جائیں گی' جیسے تبلیغی جماعت کے ہر آدمی کو' چاہے وہ ان پڑھ ہو' چھ نمبر تو یاد ہیں' وہ کھڑے ہو کر ان کو بیان بھی کر دے گا اور وہی باتیں کہے گا جو اس نے سینکڑوں مرتبہ سنی ہوئی ہیں۔ تو کسی جماعت کے فکر سے متعلق باتیں اس طرح ازبر ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس چیز کی ترغیب بھی تو ہونی چاہئے کہ بھائی تم پی ایچ ڈی ہو' تم ڈاکٹر ہو' تم انجینئر ہو' تم کمپیوٹر کے ایکسپرٹ ہو' اب ذرا عربی بھی سیکھ لو۔ انگریزی تم نے اتنی سیکھی کہ انگریزوں کو پڑھا دو' لیکن عربی کیوں نہیں سیکھتے کہ اپنی آنکھ سے قرآن پڑھ سکو' اپنی آنکھ سے سنت و سیرت کا مطالعہ کر سکو تاکہ جو دین کی بنیادیں ہیں وہاں سے فکر کو براہ راست اخذ کر سکو۔ اس سے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ اگر کہیں پر غلطی ہے تو اس کی اصلاح ہو جائے۔ لیکن اگر یہ نہیں تو ایک خاص جماعت یا ایک خاص مصنف کے مخصوص فکر کی باتیں تو خوب ازبر ہوں گی' لیکن اس سے آگے یہ صلاحیت پیدا نہیں ہو گی کہ خود بھی سوچیں اور غور کریں' جس سے نتیجہ یہی نکلے گا کہ لکیر کے فقیر بن جائیں گے۔

یہ چار باتیں ہیں جو مجھے وہاں قابل اصلاح نظر آئی ہیں اور میں نے اصلاح کی نیت ہی سے انہیں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے میری بڑی خواہش ہے کہ تنظیم اسلامی اور حزب التحریر میں اشتراک اور تعاون پیدا ہو اور یہ دونوں جماعتیں خاص طور سے وہاں پر باہم مل جل کر یہ کام کریں اور وہاں مقامی طور پر ملکی سطح پر اس اقامت دین کی تحریک کو اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے کہ ان تمام اختلافات کے باوجود تعاون کے راستے کھلے رہیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں دو جماعتوں کا باہم مدغم ہو جانا تو ظاہر ہے کہ اسی صورت میں صحیح ہے کہ پورے طریقے سے اتفاقِ رائے اور ہم آہنگی ہو' طریق کار وغیرہ کے اعتبار سے بھی یکسانیت پیدا ہو جائے' لیکن قرآن کا ہمیں یہ حکم بھی ہے کہ :

﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ "نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی میں باہم تعاون

مت کرو!"

چند چہ میگوئیوں کا تذکرہ

ان باتوں کے علاوہ چند باتیں مزید ہیں جو چہ میگوئی کی نوعیت کی ہیں۔ ایک چہ میگوئی بڑے پیمانے پر یہ ہے کہ ان کے پاس فنڈز کہاں سے آتے ہیں' اس لئے کہ واقعتاً معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پیسہ بہت ہے۔ تقریباً تمام کارکنوں کے پاس واکی ٹاکی موجود ہیں۔ میرے نزدیک اس کا ایک ذریعہ تو خود کارکنوں کا جذبۂ انفاق ہے' چنانچہ جوش و جذبہ' محنت اور لگن سے کام کرنے والے کارکن اپنی جیب سے خرچ بھی کرتے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں حسن ظن سے کام لینا چاہئے۔ کارکنوں کی محنت اور جوش و جذبہ ہی کی ایک مثال یہ ہے کہ انہوں نے اس ایرینا کا ایک دن کا کرایہ ۳۶ ہزار پونڈ ادا کیا اور تین پاؤنڈ فی کس کے حساب سے بارہ ہزار ٹکٹ فروخت کر کے ۳۶ ہزار پونڈ وصول بھی کر لئے۔ یہ بات عام جماعتوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس لئے کہ جس کے پاس کارکن نہیں وہ بارہ ہزار ٹکٹ کیونکر فروخت کر سکتے ہیں۔ وہ تو یہی چہ میگوئیاں کریں گے کہ ان کے پاس ۳۶ ہزار پاؤنڈ کہاں سے آئے؟ انہوں نے اتنا کرایہ کیسے ادا کر لیا؟ لیکن کسی جماعت کو محنت کرنے والے کارکن میسر ہوں جو ایثار کرتے ہوں' قربانیاں دیتے ہوں تو یہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ البتہ ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ عرب ممالک ہی کے کچھ صاحب ثروت لوگ جو وہاں کی شہنشاہتوں اور آمریتوں کے خلاف ہیں وہ ان کی مدد کر رہے ہیں۔ اگر ایسا بھی ہو تو اس میں کوئی بری بات نہیں ہے۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے جناب ابو طالب کا تعاون قبول کیا تھا' حالانکہ ابو طالب آخری وقت تک ایمان نہیں لائے۔ لیکن بہرحال انہوں نے حضور ﷺ کو تحفظ فراہم کیا اور اس قبائلی زندگی کے اندر حضور ﷺ سے ان کا تعاون بڑا فیصلہ کن رہا ہے۔ چنانچہ اگر ایسا ہے بھی تو یہ میرے نزدیک قابل اعتراض نہیں ہے۔

دوسری چہ میگوئی اس اعتبار سے تھی کہ برطانوی پریس اور گورنمنٹ نے اتنا تعاون کیوں کیا؟ انہیں کانفرنس کے انعقاد کی اجازت کیوں دی گئی؟ حالانکہ یہودیوں کا شدید دباؤ تھا' بعض عیسائی تنظیمیں بھی اس کی مخالفت کر رہی تھیں' اور فرانس جو کہ برطانیہ کے قریب

ترین اتحادیوں اور یورپ کے اہم ترین ممالک میں سے ہے' اس کا حکومتی سطح پر شدید دباؤ تھا' پھر کیا وجہ ہے کہ برطانوی پریس نے اسے بہت بڑے پیمانے پر بھرپور کوریج دی اور حکومت نے بھی ان کو کانفرنس کرنے کی آزادی دی۔ اس کا بھی ایک سبب تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ برطانیہ کی روایت میں شامل ہے۔ وہ بہرحال ایک آزاد جمہوری ملک ہے جس کی اپنی روایات ہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ یہ محض ان کی روایات کی بنا پر ہو۔ تاہم اس ضمن میں بھی ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اِس وقت پوری دنیا میں کاروباری حالات مندے (Recession) کا شکار ہیں جس کے نتیجے میں امریکہ کا بھی برا حال ہے' اور برطانیہ کا تو بہت ہی برا حال ہے۔ دوسری طرف عرب ممالک کے پاس پیسہ بھی ہے اور تیل کی دولت بھی۔ اب یہ تمام ممالک چاہتے ہیں کہ انہیں عرب ممالک سے کچھ سودے' کچھ contracts مل جائیں۔ چنانچہ اِس وقت مغربی ممالک کے درمیان ایک مسابقہ (competition) چل رہا ہے کہ کہاں سے کچھ contracts ملتے ہیں اور کچھ پیسہ حاصل ہوتا ہے۔ سعودی عرب کے سارے منفعت بخش معاملات تو اب امریکہ کے ہاتھ میں ہیں' جبکہ برطانیہ بہادر بھوکا بیٹھا ہوا ہے۔ تو لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ برطانوی حکومت سعودی عرب اور عرب امارات کو بلیک میل کرنے کے لئے حزب التحریر سے تعاون کر رہی ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی چہ میگوئی کے درجے میں ایک خیال ہے جسے میں نے بیان کر دیا ہے۔ اور اگر واقعتاً ایسا ہے بھی تو ظاہر ہے کہ اس میں حزب التحریر پر کوئی الزام نہیں۔ ان کے لئے تو یہ ایک موقع ہے جو اللہ تعالیٰ انہیں فراہم کر رہا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کے درمیان تجارتی کشاکش کی وجہ سے اگر ان کو "support" مل رہی ہے تو اس میں بھی کوئی بری بات نہیں۔

تیسری بات وہاں یہ کہی جاتی ہے اور یہ اپنے اندر کچھ وزن بھی رکھتی ہے کہ یہ ایک خفیہ تنظیم ہے' پتہ نہیں اس کا مرکز کہاں ہے' اس کی ٹاپ لیڈر شپ کہاں ہے۔ اس بارے میں یقیناً کچھ لوگوں کو اندیشہ ہوتا ہے کہ کیا معلوم کل یہ تحریک کیا شکل اختیار کر لے۔ میں نے بھی محسوس کیا کہ یہاں برطانیہ میں میں نے جن کارکنوں کو اس کانفرنس کے ضمن میں کام کرتے دیکھا یہ ان لوگوں سے مختلف تھے جنہیں میں نے امریکہ میں دیکھا تھا۔ وہاں مجھے

سینئر اور پختہ قسم کے لوگ ملے تھے لیکن یہاں دیکھا کہ بالکل ہی نوجوان اور نو عمر لوگ کام کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے بہرحال جب تک کوئی تنظیم پوری طرح سے واضح نہ ہو کہ اس کی ٹاپ لیڈر شپ کون سی ہے' اس کا "Brain trust" کون سا ہے' یہ کس کے فکر کے تحت کام کر رہی ہے' تو اس میں یقیناً کچھ اندیشے ہوتے ہیں اور ایسی خفیہ تنظیموں پر آئندہ کے لئے اعتماد کرنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔

آخری بات یہ کہ ان حضرات کے طریق کار میں تیسرا قدم "طلبِ نصرت" ہے۔ ان کے ہاں پہلا قدم "تثقیف" ہے' جس کو وہ سمجھتے ہیں کہ بالکل غیر نمایاں ہو کر مخفی انداز سے کرنے کا کام ہے۔ دوسرا قدم اپنے آپ کو سامنے لانا ہے اور اس کے بعد پھر طلبِ نصرت ہے' یعنی "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" کی پکار لگانا۔ اس کے ضمن میں یہ زیادہ تر فوجی افسروں پر انحصار کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کئی مرتبہ کوشش کی ہے کہ کہیں اردن میں یا عراق میں وہ "coup" کے ذریعے انقلاب برپا کر دیں۔ یہ چیز ہمارے بنیادی طریق کار کے خلاف ہے۔ میرے نزدیک انقلاب آئے گا تو عوامی سطح پر آئے گا' فوجی طاقت کے ذریعے سے انقلاب نہیں آ سکتا۔ ہمارے ہاں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ضیاء الحق صاحب اگرچہ ذاتی اعتبار سے نمازی اور پرہیزگار تھے' لیکن وہ گیارہ برسوں میں اسلام کا کیا کام کر سکے؟ میں انہیں انتہائی بدنصیب انسان سمجھتا ہوں کہ انہیں تاریخ نے ایک موقع دیا تھا کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مقام تک پہنچ جائیں' لیکن وہ دنیا سے نہایت محروم گئے' اسلام کا کوئی کام نہیں کر سکے۔ (اس ملک میں بھٹو صاحب کو بھی اللہ نے موقع دیا تھا کہ وہ اس ملک کے ماؤزے تنگ بن سکتے تھے' لیکن وہ بھی نہایت بدنصیب ثابت ہوئے اور وہ اس ملک کے اندر سے جاگیرداری کی لعنت بھی ختم نہیں کر سکے' حالانکہ وہ سوشلزم کے نعرے کے ساتھ آئے تھے اور اسی نعرے کے ساتھ انہوں نے عوامی قیادت حاصل کی تھی۔) ضیاء الحق مرحوم برسر اقتدار آئے تو نظامِ مصطفیٰؐ تحریک کے بعد اس ملک میں اتنا جوش و خروش تھا کہ اگر وہ اسلام کے نفاذ کا کوئی فوری فیصلہ کرتے تو کوئی اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا تھا۔ تو اس اعتبار سے میں عرض کر رہا ہوں کہ فوجی نظام سے کوئی تبدیلی نہیں آیا کرتی' بلکہ یہ تو عوامی طاقت سے آئے گی' جس کے لئے میں ایران کی مثال دیا کرتا

ہوں۔ لیکن بہر حال حزب التحریر نے اگر اس طرح کا معاملہ کیا ہے تو میرے نزدیک یہ ان کی مجبوری ہے۔ اس لئے کہ عالمِ عرب میں' جہاں انہوں نے اب تک کام کرنے کی کوشش کی ہے حقوق ہی حاصل نہیں۔ جمہوری حقوق کا تو وہاں نام تک نہیں۔ لہٰذا وہ یہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ سعودی عرب میں ۱۹۷۹ء میں کیا ہوا تھا؟ بیت اللہ میں اقدام کی کوشش کرنے والے نہایت نیک' گہرے مذہبی مزاج کے سلفی لوگ تھے۔ لیکن وہاں چونکہ اختلاف رائے کا موقع ہی نہیں' نہ کوئی تنظیم یا جماعت بنائی جاسکتی ہے' نہ لوگوں کو ہم خیال بنایا جاسکتا ہے' تو آخر یہی کچھ ہی ہو گا' کوئی نہ کوئی اسی قسم کا دھماکہ ہو گا اور اسی قسم کی کوئی غیر فطری صورت حال پیدا ہو گی۔ تو یہ معاملہ جو ان کے طریقہ کار میں شامل ہے' تو میں اس اعتبار سے اس کی توجیہہ کر رہا ہوں کہ عالم عرب میں یا تو بادشاہتیں ہیں یا پھر فوجی آمریتیں ہیں' تو اس حوالے سے شاید انہوں نے یہ طریق کار پیش نظر رکھا ہے۔ بہر حال میرے نزدیک یہ طریق کار غلط ہے۔ اسی پر میں اپنی یہ باتیں ختم کر رہا ہوں۔

اقول قولی ھٰذا واستغفراللہ لی ولکم ولسائرالمسلمین والمسلمات ○○

امیر تنظیم اسلامی کے مالی و معاشی کوائف پر مشتمل مفصل مضمون

حسابِ کم وبیش

اب کتابچے کی صورت میں دستیاب ہے!

صفحات ۴۴ قیمت اشاعت عام -/۶ روپے' اشاعتِ خاص (سفید کاغذ) -/۱۰ روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

الھدیٰ قسط : ۹۴

نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں

قتال فی سبیل اللہ یا سلسلۂ غزوات کا آغاز

اور اس کا ہدفِ آخریں

(۳)

غزوۂ اُحد کا ذکر قرآن حکیم میں

غزوۂ احد پر نہایت مفصل تبصرہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۲۱ تا ۱۸۰ میں وارد ہوا ہے۔ ان میں سے صرف چند آیات کا رواں ترجمہ اس وقت کر لینا مناسب ہو گا تاکہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جو وقتی شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس کے جو اثرات مسلمانوں پر مرتب ہو رہے تھے، ان کے حوالے سے یہ بات سامنے آجائے کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو کیا رہنمائی عطا فرمائی گئی۔ یہ سورۂ آل عمران کی آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸ ہیں کہ جن کا ترجمہ میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ فرمایا :

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

"اے مسلمانو، نہ بددل ہو اور نہ ہی غمگین، اگر تم ایمان پر ثابت قدم رہے تو بالآخر غالب تم ہی ہو گے، تم ہی سربلند ہو گے۔"

اگلی آیت میں تسلی کے انداز میں فرمایا :

﴿ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ﴾

"اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے (تمہیں اگر کوئی چرکا لگا ہے) تو سوچو تمہارے دشمنوں کو ایسا ہی چرکا لگ چکا ہے۔"

گویا کہ بات یہ فرمائی جا رہی ہے کہ وہ اگر اس چرکے سے بددل نہ ہوئے اور اپنے معبودانِ باطل کے لئے ان کی سرفروشی کا عالم یہ ہے کہ تمہارے ہاتھوں ایک نہایت کاری زخم کھانے کے باوجود اگلے ہی سال وہ اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے پھر تم پر حملہ آور ہو گئے تو تم کیوں اپنا دل تھوڑا کر رہے ہو۔

ابتلاء و آزمائش کی حکمت

اس کے بعد آیت کے اگلے ٹکڑے میں واضح فرمادیا کہ حالات کی یہ تبدیلی اور فتح و شکست کا یہ الٹ پھیر بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا :

﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾

"یہ تو وہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے مابین الٹتے پلٹتے رہتے ہیں۔"

یہ اونچ اور نیچ کا معاملہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت کرتا ہے۔

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ﴾

"تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ کون ہیں واقعتاً اہل ایمان اور تاکہ وہ تم میں سے بعض کو گواہ بنالے۔ (کچھ کو مرتبہ شہادت عطا فرمادے)"

ابتلاء و آزمائش کی یہی تو وہ کسوٹی ہے جس پر تمہیں پرکھا جائے گا۔ ان امتحانات کے ذریعے تمہارے ایمان کو جانچنا مقصود ہے۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ العنکبوت کے درس میں ہمارے زیر مطالعہ آچکا ہے' بلکہ سورۃ البقرہ کی بعض آیات کے حوالے سے بھی سامنے آچکا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ تم میں سے بعض جاں نثاروں کی جان کا نذرانہ قبول کر کے وہ تم میں سے کچھ کو گواہ بنالینا چاہتا ہے' انہیں شہادت سے سرفراز فرمانا چاہتا ہے۔ یہ ہے وہ مقام جس کے بارے میں عرض کیا گیا تھا کہ پورے قرآن حکیم میں صرف یہ وہ آیت ہے کہ جہاں "شہید" کے معنی مقتول فی سبیل اللہ لینے کا امکان ہے۔ گویا مسلمانوں کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ ان میں سے بعض سرفروشوں کو کہ جو اپنی جان دے کر اللہ کی گواہی دیں' اس بلند

مرتبے اور مقام پر فائز کرنا چاہتا ہے جس کا نام مرتبۂ شہادت ہے۔ اس آیت کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے :

﴿وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾

"اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

کہیں شیطان تمہارے ذہن میں یہ خیال نہ ڈال دے کہ اللہ نے اگر کفار کو کچھ فتح دے دی ہے تو شاید وہ اب کفار سے محبت کرنے لگا ہے!

اگلی آیت میں اس حکمتِ ابتلاء کو مزید واضح فرمایا گیا : ﴿وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ "تمحیص" کا لفظ کسی چیز کو چھان پھٹک لینے کے مفہوم میں آتا ہے۔ ہمارے ہاں اردو بول چال میں بحث و تمحیص کی ترکیب عام استعمال ہوتی ہے۔ بحث کے معنی ہیں کریدنا اور تمحیص سے مراد ہے کہ جو کچھ کرید کر حاصل ہوا ہے اس کو چھان پھٹک کر اس میں سے جو چیز مطلوب ہے اسے نکال لینا۔ تو ﴿وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "اور تاکہ اللہ اہل ایمان کی چھانٹی کرے" یعنی اللہ چاہتا ہے کہ اس طرح کے کٹھن امتحانات سے اہل ایمان کو گزار کر انہیں جانچ لے کہ ان میں سے کون واقعتاً اللہ' اس کے رسول ﷺ اور آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں اور کون ہیں کہ جو نام نہاد مومن ہیں اور محض روایتی طور پر اور دوسروں کی تقلید میں دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے ہیں، کہ چونکہ قبیلے کے سردار نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا لہٰذا وہ بھی اس کی پیروی میں ایمان لے آئے۔ ﴿وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ ۝﴾ "اور تاکہ اللہ کافروں کو مٹا دے۔" کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ کافروں کو تو بالآخر مٹا کر چھوڑے گا' البتہ اس درمیانی عرصے میں یہ اونچ نیچ اس غرض سے ہوتی ہے کہ امتحان' ابتلاء اور اور آزمائش کے تقاضے پورے ہو جائیں۔ اس کے بعد آتی ہے وہ آیت جس کا اس سے پہلے بھی حوالے دیا جا چکا ہے :

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جٰھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝﴾

"کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ دیکھا

ہی نہیں کہ کون ہیں تم میں سے واقعتاً جہاد کرنے والے (جو جہاد کا حق ادا کرنے والے ہیں) اور ابھی اس نے دیکھا ہی نہیں کہ کون ہیں تم میں سے جو واقعتاً صبر کرنے اور جھیلنے والے ہیں۔"

لفظ "صابرین" کو یہاں خاص طور پر نوٹ کیجئے۔ ہمارے اس منتخب نصاب میں قرآن حکیم کے جو مقامات آج کل ہمارے زیر مطالعہ ہیں وہ "تواصی بِالصَّبر" ہی کی تفاصیل پر مشتمل ہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ﴾

"اور تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرتے۔"

یہاں اس جذبہ شوق شہادت کی طرف اشارہ ہے جس کا اظہار بعض مسلمانوں کی طرف سے اس مشاورت کے دوران ہوا تھا جو آنحضور ﷺ نے غزوۂ احد سے قبل منعقد فرمائی تھی۔ آرزو کرنا اس وقت تک بہت آسان ہوتا ہے کہ جب تک موت سامنے نہ آ کھڑی ہو۔ لیکن جب موت سے آنکھیں چار ہوتی ہیں تو معاملہ بڑا مختلف ہوتا ہے۔

﴿فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝﴾

"تو اب تم نے اس موت کو دیکھ لیا ہے اور اس سے آنکھیں چار کر لی ہیں۔"

مسلمانوں کے لئے تنبیہہ

اگلی آیت میں قدرے تنبیہہ کا انداز ہے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ "اور اے مسلمانو، یہ تمہیں کیا ہوا تھا کہ آنحضور ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر تمہاری ہمتیں جواب دے گئیں! تمہارا تعلق محمد (ﷺ) سے ہے یا اللہ سے ہے؟.... تمہیں سوچنا چاہئے کہ تمہارا تعلق تو اللہ کے ساتھ ہے جو سب کا خالق و مالک ہے۔ "محمد ﷺ تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک رسول ہیں"۔ ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ "ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں۔ تو کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟" ﴿وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ

شَیْئًا﴾ "اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ گیا تو وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا"۔ ﴿وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ ۝﴾ "اور اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو (حق مانے والوں کو) عنقریب جزا عطا فرمانے والا ہے۔

یاد رہے کہ یہی وہ آیت ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلاوت فرمائی تھی حضور ﷺ کے انتقال کے وقت' جبکہ نبی اکرم ﷺ سے جدائی کا صدمہ مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ اس صورت حال سے اس درجے متاثر تھے کہ ننگی تلوار لے کر بیٹھ گئے کہ جس نے کہا کہ محمدؐ کا انتقال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اب ظاہر بات ہے کہ جلال فاروقیؓ کے سامنے کسی کو دم مارنے کا یارا نہ تھا۔ ہاں یہ ابوبکر صدیقؓ ہی تھے کہ جنہوں نے اس صورت حال کو سنبھالا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے' سیدھے حجرۂ عائشہؓ میں گئے' بیٹی کا گھر تھا' جاتے ہی آنحضور ﷺ کی پیشانی سے چادر ہٹائی' بوسہ دیا' واپس آئے اور پھر خطبہ دیا :

"مَن کان یعبُد محمدًا فان محمدًا قد مات' ومَن کان یعبدُ اللّٰہَ فان اللّٰہ حیٌّ لا یمُوت"

"لوگو' جو کوئی بھی محمد کی پرستش کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد کا انتقال ہو گیا (ﷺ) اور جو کوئی اللہ کا پرستار ہے' اللہ کی پرستش کرنے والا ہے' اسے مطمئن رہنا چاہئے کہ وہ الحی ہے' وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس پر کبھی موت وارد ہونے والی نہیں۔"

یہ اصولی بات ارشاد فرمانے کے بعد آپؓ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی :

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ - اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ - وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا - وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ ۝﴾

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گردن جھکتی چلی گئی اور آپؓ نے تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ جیسے یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔

اب اگلی آیت کے الفاظ پر توجہ کو مرکوز کیجئے : ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ کسی ذی نفس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ کے اِذن کے بغیر اس کی موت واقع ہو جائے۔ ﴿كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾ وہ تو ایک معیّن وقت ہے جو لکھ دیا گیا ہے۔ ﴿وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ تو اس مہلتِ عمر میں کہ جو انسان کو ملی ہے جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے' جس کی سعی و جہد محض اس دنیا کے لئے ہے' اسے ہم اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں' مال و اسبابِ دنیوی میں سے کچھ اسے عطا کر دیتے ہیں۔ ﴿وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا﴾ اور جو کوئی آخرت کا طالب ہے' جس کے پیش نظر اپنی جدوجہد کا وہ نتیجہ ہے کہ جو آخرت میں نکلنے والا ہے تو ہم اسے اس میں سے عطا فرمائیں گے' اس کے لئے آخرت کا اجر محفوظ ہو گا۔ ﴿وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ اور ہم بہت جلد شکر کرنے والوں کو بدلہ عطا کریں گے۔

اگلی آیت میں فرمایا : ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾ اور کتنے ہی ایسے نبی گزرے ہیں کہ بہت سے اللہ والوں نے ان کے ساتھ ہو کر جنگ کی۔ ﴿فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا﴾ تو اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں بھی ان پر آئیں اس پر وہ بددل نہیں ہوئے' سست نہیں پڑے' انہوں نے تکالیف کے مقابلے میں کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ہی وہ باطل کے آگے سرنگوں ہوئے۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ اور اللہ تعالیٰ تو ایسے ہی صبر کرنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس کی محبوبیت کا مقام تو انہی کو حاصل ہوتا ہے جو ہر چہ باداباد کی کیفیت کے ساتھ اللہ کی راہ میں ڈٹ جانے والے ہیں۔

آگے فرمایا : ﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ اور ان کی بات تو بس یہی تھی' ان کی عرضداشت تو بس اتنی تھی کہ وہ یہ التجا کرتے رہے کہ اے ہمارے رب ہماری خطاؤں سے درگزر فرما۔ ﴿وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا﴾ اور ہم سے اپنے معاملات میں جو بھی زیادتی ہوئی ہے اس کو بخش دے۔ ﴿وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ اور ہمارے قدموں کو جمادے ﴿وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ اور ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما۔ ﴿فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ﴾

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا بدلہ بھی عطا فرمایا اور آخرت کا بھی بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ بدلہ۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ اور اللہ ایسے ہی احسان کرنے والوں سے' حسنِ عمل کا مظاہرہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

غزوۂ احد کے حالات پر جو طویل تبصرہ قرآن حکیم میں وارد ہوا ہے ان میں سے چند آیات کا ہم نے سطور بالا میں مطالعہ کیا ہے جن سے اس بات کی طرف واضح رہنمائی ملتی ہے کہ اہل ایمان کو ابتلاؤں اور آزمائشوں سے دوچار کرنے کی اصل حکمت کیا ہے۔ اور وہ حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کی چھانٹی ہو جائے' سچے مسلمانوں اور نام نہاد مسلمانوں کے درمیان تمیز ہو جائے' پھر یہ کہ یہ آزمائشیں اہل ایمان کی مزید تربیت کا ذریعہ بھی بنتی ہیں کہ آزمائش کی ان بھٹیوں سے گزر و تو کندن بن کر نکلو۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ حالات کو ادلتا بدلتا رہتا ہے۔ وہ چاہتا تو تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچتی' کوئی تمہیں گزند نہ پہنچا سکتا' لیکن پھر تمہیں یہ کیسے معلوم ہو تا کہ تمہاری صفوں میں ابھی کہاں کہاں کمزوری موجود ہے۔ تمہاری جمعیت کے اندر کون کون سے گوشے ایسے ہیں کہ جہاں ابھی مزید استحکام کی ضرورت ہے۔ آئندہ کے کٹھن تر مراحل سے نبرد آزما ہونے کے لئے تمہارا اپنی تمام کمزوریوں پر متنبہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ تبھی تمہارے لئے یہ ممکن ہو گا کہ اپنی صفوں کو از سرِ نو ترتیب دے کر انہیں تطہیر کے عمل سے گزار سکو اور اس طرح اپنی ہمت کو مجتمع کر کے آئندہ آنے والے مراحل کے لئے مناسب تیاری کر سکو!

غزوۂ احزاب کا پس منظر

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' غزوۂ احد کے بعد صورت حال یکسر تبدیل ہو گئی۔ احد کے میدان میں مسلمانوں کو جو دھچکا لگا تھا اس سے طبعی طور پر مسلمانوں کی ہمتیں کچھ پست ہوئیں اور دشمنوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ اگر کچھ مزید تیاری کے ساتھ ایک مجتمع کوشش کی جائے اور مل جل کر زور لگایا جائے تو اس پودے کو اکھاڑا جا سکتا ہے' مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دے کر یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ غزوۂ احد کے دو سال بعد ۵ھ میں اسلام کے چراغ کو گل کرنے کی

خاطر عرب کی پوری مشرکانہ قوت مجتمع ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئی۔ اس واقعے کو ہم غزوۂ احزاب کے نام سے جانتے ہیں۔ اسے غزوۂ احزاب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں جو لوگ حملہ آور ہوئے تھے وہ کسی ایک قبیلے یا کسی ایک گروپ سے متعلق نہیں تھے بلکہ بے شمار قبائل' جن میں عربوں کے علاوہ یہود کے قبائل بھی شامل تھے' متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ وہ مشرق سے بھی آئے اور مغرب سے بھی آئے' ان علاقوں سے بھی آئے جو بلندی پر واقع ہیں اور اس جانب سے بھی آئے جو مدینہ کے مقابلے میں نشیب میں واقع ہے' کم و بیش بارہ ہزار کا لشکر جرار مسلمان کے خلاف مجتمع ہوا۔ ان حملہ آوروں میں بنو قینقاع بھی شامل تھے جو غزوۂ بدر کے بعد اپنی عہد شکنی کے باعث جلاوطن کئے گئے تھے' اور بنو نضیر بھی تھے کہ جنہیں ۴ھ میں مدینہ سے نکال باہر کیا گیا تھا اور وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ مدینہ کے مشرق میں نجد کی طرف سے بنو غطفان چڑھائی کرتے ہوئے آئے جبکہ نیچے کی طرف سے یعنی مکہ سے قریش کی فوجیں حملہ آور ہوئیں۔ گویا آس پاس کے تمام مشرک قبائل مجتمع ہو گئے۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی پر جس میں چند سو گھر آباد ہوں گے' اتنا بڑا حملہ ایک نہایت غیر معمولی بات تھی۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کہیں چٹیل میدان میں کوئی چراغ جل رہا ہو اور اس کو بجھانے کے لئے ہر طرف سے جھکڑ چل رہے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران مسلمانوں کی اجتماعی ابتلاء و آزمائش کے اعتبار سے یہ کٹھن ترین مرحلہ تھا۔ اس موقع پر اہل ایمان کا ایمان پوری طرح آزمالیا گیا' اور جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا ان کی بھی بھرپور آزمائش ہو گئی' جس کے نتیجے میں ان کا نفاق پورے طور پر ظاہر ہو گیا' وہ نفاق جو دلوں میں پوشیدہ تھا منافقین کی زبانوں پر جاری ہو گیا۔ بعد میں یہ غزوہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اس انقلابی جدوجہد میں ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔

غزوۂ احزاب کا ذکر قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں اس غزوے کا ذکر سورۃ الاحزاب کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں ہے۔ وہاں اس صورت حال کی مکمل نقشہ کشی کر دی گئی ہے کہ یہ موقع مسلمانوں کے

لئے ابتلاء اور آزمائش کا نقطۂ عروج تھا۔ جس طرح ذاتی سطح پر طائف کے دن محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر مصائب اور تکالیف کا معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا' بعینہٖ اسی طرح کا معاملہ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے لئے غزوۂ احزاب کے موقع پر ہوا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس غزوۂ کا ذکر جن آیات میں آیا ہے ان میں سے چند آیات کا یہاں ترجمہ کرلینا مفید ہوگا تاکہ اس صورت حال کی صحیح تصویر خود آیات قرآنی کے ذریعے سے ہمارے سامنے آجائے جس سے اہل ایمان دوچار تھے۔ فرمایا :

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ ﴾

اس پہلی آیت میں قرآن مجید نے اپنے مخصوص اسلوب کے مطابق اس پورے غزوے کے دوران جو حالات و واقعات پیش آئے اور اس کا جو نتیجہ نکلا ان سب کی طرف نہایت جامعیت کے ساتھ اشارہ کردیا ہے : "اے اہل ایمان' اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم پر لشکر حملہ آور ہوئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر بھیجے کہ جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے اسے دیکھ رہا تھا۔"

ابتلاء و آزمائش کا نقطۂ عروج

اگلی آیت سے صورت حال کی نقشہ کشی شروع ہوتی ہے : ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ ذرا یاد تو کرو جب وہ لشکر تم پر حملہ آور ہوئے نیچے سے بھی اور اوپر سے بھی۔ مدینہ منورہ کے داہنی جانب کا علاقہ اونچا ہے اور بائیں جانب نچائی ہے۔ بائیں طرف سے یعنی مغرب کی جانب سے جو لشکر آئے ان کے بارے میں فرمایا : "مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ" اور جو دائیں جانب سے آئے ان کے لئے یہاں "مِنْ فَوْقِكُمْ" کے الفاظ آئے۔ آیت کے اگلے ٹکڑے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آزمائش کس درجے شدید تھی : ﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ﴾ اور جبکہ نگاہیں کج ہوگئی تھیں۔ ہم اپنے محاورے میں یوں کہیں گے کہ جب آنکھیں پتھرا گئیں تھیں۔ ﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ

الْحَنَاجِرَ﴾ اور دل ہنسلیوں میں آکر پھنس گئے تھے۔ گویا خوف و دہشت سے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ ﴿وَتَظُنُّونَ بِاللّٰہِ الظُّنُونَاO﴾ اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ طرح طرح کے وسوسے تمہارے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ وہ نصرت کے وعدے کیا ہوئے؟ اللہ کی مدد کا وہ تاکیدی وعدہ کہاں گیا جو بار بار قرآن میں آیا ہے؟ وہ یقین دہانیاں جو ہمیں کرائی گئی تھیں کہ تمہیں غلبہ حاصل ہو گا' عرب اور عجم کے خزانے تمہارے قدموں میں آئیں گے' کیا وہ محض ہمیں دھوکہ دینے کے لئے تھیں؟ ﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًاO﴾ یہ وقت وہ تھا جبکہ اہل ایمان کی صحیح معنوں میں آزمائش ہو گئی اور انہیں ہلایا گیا بڑی شدت کا ہلایا جانا۔ حالات انتہائی نامساعد تھے۔ قحط کا وہ عالم کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ فصلیں تیار تھیں لیکن انہیں اجاڑ دیا گیا' ساری فصل دشمنوں نے تباہ کر دی۔ بھوک کی شدت کے باعث پیٹ پر پتھر باندھ لئے گئے ہیں کہ فاقے کی وجہ سے کہیں کمر دوہری نہ ہو جائے۔ اس عالم میں خندق کھودی جا رہی ہے' پھاوڑے چل رہے ہیں۔ اس وقت محمد ﷺ کے ساتھیوں کی زبان پر یہ ترانہ رواں ہے:

نَحنُ الذین بَایَعُوا محمدا
علیَ الجهادِ مَابقینا ابدا

(کہ ہم ہیں وہ لوگ جنہوں نے محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اس بات کی بیعت کہ جہاد کرتے رہیں گے جب تک کہ جان میں جان ہے) بہرحال' صورت حال اتنی خوفناک تھی اور ایسی تباہی نگاہوں کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی کہ بظاہر احوال خاتمہ یقینی نظر آتا تھا۔ بلاشبہ یہ سخت ترین آزمائش کی گھڑی تھی جس سے اہل ایمان دوچار تھے۔ (جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مولانا مدنیؒ، مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے بارے میں میرا موقف

ڈاکٹر اسرار احمد

احباب اس امر سے واقف ہیں کہ امیر تنظیم اسلامی ایک جانب مولانا ابوالکلام آزاد کے سیاسی موقف سے شدید اختلاف رکھنے کے باوجود اپنا فکری تحریکی رشتہ مولانا آزاد اور مولانا مودودی مرحوم ہی سے جوڑتے ہیں اور اپنی تمامتر تحریکی مساعی کو مذکورہ بالا دونوں حضرات کی کاوشوں کا تسلسل قرار دیتے ہیں' اور دوسری جانب تحریک پاکستان اور دو قومی نظریئے کے ساتھ گہری ذہنی وابستگی رکھنے کے باوصف مولانا حسین احمد مدنی کے تقویٰ و تدین کا اعتراف کرتے اور ان کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ بھی رکھتے ہیں۔ بہت سے لوگ جو اس بارے میں امیر تنظیم کے پورے موقف اور اس کی تفصیلات سے آگاہ نہیں ہوتے' اس صورت حال سے الجھن محسوس کرتے ہیں۔ "نوائے وقت" کے اداریہ نگار نے بھی گزشتہ سال ایک موقع پر اسی حوالے سے امیر تنظیم کا خاکہ اڑانے کی کوشش کی حالانکہ اسی روزنامے میں "تفکر و تذکر" کے عنوان سے امیر محترم کے وہ کالم چھپتے رہے ہیں جن میں ان تمام امور کی صراحت موجود تھی۔ بہرکیف "نوائے وقت" کے اس اداریئے سے ایک یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس کے جواب میں امیر تنظیم نے اپنے موقف کو نہایت وضاحت اور جامعیت کے ساتھ ایک مضمون کی شکل میں سپرد قلم کر دیا۔ امیر تنظیم کا یہ جواب مضمون اگرچہ "نوائے وقت" میں بھی شائع ہو گیا تھا لیکن اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اپنے رفقاء و احباب اور قارئین تک اسے پہنچانا بھی ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔

تنظیم اسلامی کے انیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر رفقاء تنظیم اگر اس مضمون کا مطالعہ کر کے اجتماع میں تشریف لائیں تو وہ اس کی افادیت کو بجا طور پر محسوس کریں گے۔ (ادارہ)

میں "نوائے وقت" کے اداریہ نگار کا ممنون ہوں کہ اس نے اپنے یکم نومبر کے شذرے کے ذریعے میرے لئے بعض شخصیتوں اور تحریکوں کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت کا ایک اور موقع پیدا کر دیا۔ اگرچہ اس اعتبار سے حیرت اور تعجب کا اظہار کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ع

جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے!"

کے مصداق میری وہ آراء جو اَب، بحمد اللہ، بہت بڑے حلقے میں معروف و مشہور ہو چکی ہیں، اُس روزنامے کے حلقہ ادارت سے وابستہ شخص کے علم میں نہیں ہیں، جس میں میرا وہ ہفتہ وار کالم ڈیڑھ سال سے پابندی سے شائع ہو رہا ہے، جو اکثر ہفتہ میں ایک ہی نہیں دو دو اور تین تین بار بھی چھپتا ہے۔ بہرحال میں۔

"یارب وہ نہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے مری بات
دل اور دے ان کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور!"

کی دعا کے ساتھ ساتھ اپنے موقف کی وضاحت کی ایک اور کوشش کر رہا ہوں۔

جہاں تک مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا تعلق ہے، اگرچہ میں ان کے علم و فضل، تقویٰ و تدیّن، محنت کشی اور سخت کوشی، اور سب سے بڑھ کر انگریزی استعمار کے خلاف بے باکانہ اور مجاہدانہ کردار کا تہہِ دل سے معترف ہوں اور اس اعتبار سے میرے دل میں ان کی بے حد عزت اور احترام بھی ہے اور ایک گونہ محبت و عقیدت بھی، تاہم میں نے آج تک نہ کبھی انہیں اپنا "امام" قرار دیا، نہ اپنے آپ کو کبھی ان کے "مقتدی" کی حیثیت سے پیش کیا۔ اور جہاں تک ان کے سیاسی موقف اور مسلک کا تعلق ہے، میں نے نہ صرف یہ کہ اس سے اپنے اختلاف کا اظہار ہمیشہ نہایت واشگاف الفاظ میں کیا ہے، بلکہ بین السطور اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ اگرچہ مولانا مدنیؒ کم از کم برعظیم پاک و ہند کی حد تک چودھویں صدی ہجری کی عظیم ترین مذہبی شخصیت یعنی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگرد خاص بھی تھے اور ان کے زمانۂ اسیریٔ مالٹا کے دوران ان کے رفیق ہی نہیں خادمِ خاص بھی، مزید برآں

دار العلوم دیوبند کی مسندِ درس پر ان کے جانشین بھی وہی قرار پائے ---- لیکن سیاسی و ملّی مساعی کے میدان میں حضرت شیخ الہندؒ کے اصل "خلیفہ" کی حیثیت انہیں نہیں' مولانا ابوالکلام آزاد کو حاصل ہے ---- اس لئے کہ نومبر ۱۹۲۰ء میں دہلی میں "جمعیت العلماء ہند" کا جو دوسرا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا اس میں حضرت شیخ الہندؒ کی جانب سے جو صدرِ جلسہ تھے "امامتِ ہند" کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کا نام تجویز ہوا تھا مولانا مدنیؒ کا نہیں!

البتہ جہاں تک مولانا ابوالکلام آزاد کا تعلق ہے نہ صرف یہ کہ میں انہیں اپنا "امام" تسلیم کرتا رہا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کرتا رہوں گا بلکہ ان ہی کے واسطے سے اپنا دینی سلسلۂ نسب حضرت شیخ الہندؒ سے جوڑتا ہوں۔ لیکن اس صراحت کے ساتھ کہ میرا "امام" صرف ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک کا ابوالکلام ہے' اس کے بعد کا نہیں۔ اس لئے کہ اپنی زندگی کے اس آٹھ سالہ دور میں مولانا آزاد مرحوم نے کم از کم بیسویں صدی عیسوی کی حد تک پہلی بار ان کاموں کا آغاز کیا تھا جن میں میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم' اور تائید و توفیق سے گزشتہ ربع صدی سے زیادہ عرصہ سے اپنی بہتر اور بیشتر توانائیاں کھپا رہا ہوں یعنی دعوت رجوع الی القرآن' اور اس کے لئے نوجوانوں کی ایک ٹیم کی تیاری کے لئے "دار الارشاد" کا قیام' حکومت الٰہیہ کے قیام کی پُر زور دعوت اور اس کے لئے بیعت کی مسنون اساس پر "حزب اللہ" کا قیام' اور بالآخر "تحریکِ خلافت"۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انہوں نے دعوت رجوع الی القرآن کا غلغلہ زیادہ تر تحریری طور پر بلند کیا تھا اور پھر اس کے لئے جو ادارہ قائم کیا تھا وہ ان کی سیاسی مصروفیات کی باعث پوری طرح چلنے بھی نہ پایا تھا کہ ختم ہو گیا' جبکہ میں نے بفضلہٖ تعالیٰ "عوامی درس قرآن" کا میدان اختیار کیا' اور جو ادارے قائم کئے یعنی انجمن خدام القرآن' قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج وہ بھی بحمد اللہ نہ صرف قائم ہیں' بلکہ خواہ ست روی کے ساتھ ہی سہی' بہرحال مسلسل ترقی کر رہے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اقامتِ دین کی جد و جہد کے لئے "حکومتِ الٰہیہ" کی عام فہم اصطلاح استعمال کی تھی

اور پھر کچھ دوسرے عوامل کے ساتھ ساتھ روائتی علماء کی مخالفت سے بددل ہو کر ۱۹۲۰ء میں "حزب اللہ" کی بساط بالکل لپیٹ دی تھی' جبکہ بحمد اللہ ہم نے ٹھیٹھ قرآنی اصطلاحات یعنی اقامتِ دین اور غلبہٴ دینِ حق وغیرہ کو اختیار کیا۔ اور اس کے لئے اللہ کے فضل و کرم سے "بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف" ہی کے اصول پر "تنظیمِ اسلامی" قائم کی' جو ایک دھیمی لیکن پیہم رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ (چنانچہ ابھی اس کا اٹھارہواں سالانہ اجتماع نہایت وقار اور متانت کے ساتھ منعقد ہوا ہے!) علیٰ ہٰذا القیاس مولانا آزاد کی تحریک خلافت کی اصل حیثیت خلافتِ عثمانیہ کے خلاف ہوئے والی ریشہ دوانیوں کے خلاف پرزور صدائے احتجاج کی تھی جبکہ ہماری تحریکِ خلافت' نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوت کو دنیا میں از سرِ نو قائم کرنے کے لئے ہے۔

بہرحال ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک والے مولانا آزاد یقیناً میرے "امام" ہیں اور اس قاعدہ کلیہ کے مطابق کہ "اَلفَضلُ لِلمُتَقَدِّم" یعنی اصل درجہٴ فضیلت پہل کرنے والے ہی کو حاصل ہوتا ہے' میں ان کی عظمت اور فضیلت کا تہہ دل سے قائل ہوں۔ تاہم ۱۹۲۰ء کے بعد سے جب انہوں نے اپنا اصل میدان تحریک آزادئ ہند کو بنالیا اور اس کے لئے کانگریس میں شمولیت اختیار کرلی تو اس کے بعد والے ابوالکلام سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ اور میں جو اختلاف مولانا مدنیؒ کے طرز عمل سے رکھتا ہوں وہی اختلاف مجھے مولانا آزاد کے طرز عمل سے بھی ہے۔ بلکہ مولانا مدنیؒ نے تو اپنے جداگانہ پلیٹ فارم یعنی "جمعیت العلماء ہند" کے پلیٹ فارم سے انڈین نیشنل کانگرس کی صرف ہمنوائی کی' جبکہ مولانا آزاد تو اس میں باضابطہ شامل ہو کر اس کا جزوِ لاینفک بن گئے تھے۔

البتہ یہ واضح رہے کہ حضرت مدنیؒ ہوں یا مولانا آزاد' ان کی سیاسی رائے اور موقف سے شدید اختلاف رکھنے کے باوجود میں ان کی نیت پر حملہ کو خود حملہ کرنے والے کی نیت کے فساد کا مظہر سمجھتا ہوں۔ ان حضرات کی رائے خلوص اور دیانت پر مبنی تھی اور میرے نزدیک ان کی حیثیت فقہ کی اصطلاح میں ایسے اجتہاد کرنے والے

شخص کی سی ہے جس کی رائے کسی سبب سے غلط ہو جاتی ہے' لیکن وہ اپنی حسن نیت کی بناء پر اکہرے ثواب کا مستحق بہرحال ہوتا ہے۔

اب آیئے مولانا مودودی اور ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی کے بارے میں میرے موقف کی جانب۔ میں مولانا مودودی کو فی الاصل مولانا آزاد کا جانشین' اور ان کی دعوت اور تحریک کو ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک والے ابوالکلام ہی کی دعوت اور تحریک کا تسلسل سمجھتا ہوں' اور اس اعتبار سے انہیں بھی اپنا "امام" تسلیم کرتا ہوں اور اسے سوءِ اتفاق ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ میں مولانا مودودی کی دعوت اور تحریک کے بھی صرف آٹھ ہی سالوں کو بحیثیتِ مجموعی درست سمت میں اور ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر مبنی سمجھتا ہوں' یعنی ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک۔ اس لئے کہ اگرچہ جماعت اسلامی کا قیام بالفعل تو ۱۹۴۱ء میں عمل میں آیا تھا' تاہم اس کی اساس جن اصولوں پر رکھی گئی تھی وہ ۴۰-۱۹۳۹ء کے دوران ماہنامہ "ترجمان القرآن" میں شائع ہونے والے سلسلۂ مضامین میں بیان ہوئے تھے جن کا اختتام : "ایک صالح جماعت کی ضرورت" نامی تحریر سے ہوا تھا۔

بہرحال میرے نزدیک جماعت اسلامی کی تاریخ کے یہ آٹھ سال ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کا نقشہ پیش کرتے ہیں' جو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ایک قومی تحریک کے خدوخال سے کسی طور بھی مشابہ نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ تحریک مسلم لیگ یا تحریک پاکستان کے بارے میں ان کے اس موقف کو میں صد فی صد درست سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی ایک قومی تحریک کے نتیجے میں صرف ایک قومی ریاست ہی قائم ہو سکتی ہے' اسلامی ریاست وجود میں نہیں آ سکتی۔ اسلامی ریاست کے قیام کے لئے (یا بالفاظِ دیگر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے) تو بہرحال ایک ایسی جماعت درکار ہے جس میں شامل ہونے والے لوگ پہلے اپنے وجود اور اپنی ذات' اور پھر اپنے دائرہ اختیار یعنی اپنی معاشرت اور معیشت میں شریعت اسلامی پر بالفعل کاربند ہوں۔ اور پھر ایک منظم جماعت کے ڈسپلن کو قبول کر لیں۔ تاہم اس معاملے میں مولانا مودودی کی اس روش

کو غلط اور انتہاپسندی پر مبنی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے تحریک پاکستان اور تحریک مسلم لیگ اور اس کی قیادت پر شدید اور بعض اوقات دلآزار تنقیدیں کیں۔ اور اپنی بعض تحریروں میں تو مسلم قوم پرستی کے ڈانڈے کفر تک ملا دیئے۔ جبکہ میرے نزدیک مسلمانوں کی دنیوی فلاح اور بہبود' اور ان کے حقوق کے حصول یا ان کی پاسداری کی جدّوجُہد بھی ہرگز نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ پسندیدہ اور مطلوب ہے' جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف آل فرعون کو اسلام اور ایمان کی دعوت دینے کے لئے نہیں' بلکہ بنی اسرائیل کو ان کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے بھی مبعوث فرمایا تھا۔ تاہم مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی سعی وجدّوجہد کے مقابلے میں اسلام کی سربلندی کے لئے' اس کی جملہ شرائط پوری کرتے ہوئے' جِدّوجُہد کرنا یقیناً بہت افضل اور اعلیٰ ہے۔ گویا میرے نزدیک اُس وقت مولانا مودودی کا موقف یہ ہونا چاہئے تھا (کاش کہ ایسا ہو جاتا!) کہ چونکہ فی الوقت ہم اپنی جملہ توانائیاں اقامتِ دین کی جدّوجہد کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں لہٰذا ہم مسلمانانِ ہند کی قومی جدوجہد کا بالفعل ساتھ نہیں دے سکتے۔

ہم مسلمانوں میں اپنے دورِ زوال میں جو چند در چند کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں ان میں سے ایک اشخاص و افراد' اور تحریکوں اور جماعتوں کے بارے میں انتہاپسندانہ رویّہ بھی ہے۔ یعنی یہ کہ ہم جس شخص یا جماعت کے گرویدہ ہو جاتے ہیں ان میں ہمیں سب خیر ہی خیر اور حسن ہی حسن نظر آنے لگتا ہے' ان کا کوئی نقص یا عیب نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس جس سے ہمیں اختلاف ہو جائے وہ ہمیں مجسم شر نظر آنے لگتا ہے اور اس کی کسی خوبی یا بھلائی کا اعتراف ہمیں گویا گناہ نظر آنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ مرض ہمارے اندر پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو گیا ہے جس کی جانب نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا تھا کہ : "تمہارا کسی چیز سے محبت کرنا تمہیں اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے!" (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اس ضمن میں زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ بیماری ہمارے مذہبی طبقات میں کچھ زیادہ ہی شدید بلکہ مہلک حد تک پائی جاتی

ہے۔ وہ بالعموم جس کے گرویدہ اور عقیدت مند ہوں انہیں کم از کم "معصوم" ورنہ فرطِ محبت و عقیدت میں "معبود" کے درجہ تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔ اور جس سے اختلاف ہو جائے اسے ضال اور مُضِل ہی نہیں کافر اور زندیق قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس پس منظر میں میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اوائل عمری ہی سے اس انتہاپسندی سے بچائے رکھا ہے۔ چنانچہ "نوائے وقت" کے یکم نومبر کے شذرے کے ضمن میں مَیں مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، اور تقسیم ہند سے قبل تک کے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ، بحمد اللہ، ان اعاظم رجال کے بارے میں بھی مَیں کبھی اس اِفراط و تفریط میں مبتلا نہیں رہا کہ اگر مولانا مدنیؒ اور مولانا آزاد کے سیاسی موقف سے اختلاف تھا تو انہیں کانگریس کا زر خرید اور ہندو کا ایجنٹ بھی لازماً قرار دوں، اور اگر مولانا آزاد اور مولانا مودودی کو میں نے ایک بار اپنا "امام" تسلیم کر لیا تو اپنے ذہن اور ضمیر کو ہمیشہ کے لئے ان کے پاس گروی رکھ دوں اور ان کی کسی رائے یا طرزِ عمل سے اختلاف کو گناہ سمجھنے لگوں۔ اب اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان، تحریکِ پاکستان، اور زعمائے تحریک پاکستان کے بارے میں اپنی آراء اور اپنا طرزِ عمل بھی اختصار سے بیان کر دوں۔

میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ میرے ذہن اور مزاج کی ساخت میں اولین اور مؤثر ترین دخل علامہ اقبال کی ملی شاعری کو حاصل ہے۔ دس گیارہ برس کی عمر سے میں نے "بانگِ درا" کو کچھ سمجھے اور کچھ بے سمجھے ترنم کے ساتھ پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور چودہ پندرہ برس کی عمر تک مجھے حضرت علامہ کا تقریباً پورا اردو کلام ازبر ہو چکا تھا۔ اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ تھا کہ ہائی سکول کے طالبعلم کی حیثیت سے میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا فعال کارکن تھا۔ اور اس اعتبار سے مجھے گویا تحریک پاکستان کے ادنیٰ کارکنوں میں شمولیت کا شرف حاصل ہے۔ (واضح رہے کہ میں حصار ڈسٹرکٹ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا جنرل سیکرٹری تھا اور ۱۹۴۶ء میں فیڈریشن کا جو اہم اجلاس

حبیبیہ ہال' اسلامیہ کالج' ریلوے روڈ' لاہور میں منعقد ہوا تھا' جس میں قائدِ اعظم نے بھی شرکت فرمائی تھی' اس میں مَیں بھی ضلع حصار کے دو مندوبین میں سے ایک کی حیثیت سے شریک تھا۔) چنانچہ مجھے اس پر فخر ہے کہ میں نے "پاکستان کا مطلب کیا۔ لاالٰہ الااللہ" کے زوردار نعرے بھی لگائے تھے' اور "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ!" کے ترانے بھی زور شور سے الاپے تھے۔ مزید برآں "نوائے وقت" کے بنڈلوں کے انتظار میں ریلوے سٹیشن پر حاضری بھی دیتا رہا تھا' اور پاکستان کے جھنڈے ہم نے نہ صرف مکانوں پر لہرائے تھے' بلکہ ان کے چھوٹے چھوٹے بیج خود اپنے سینوں پر بھی سجائے تھے' اور ہزاروں کی تعداد میں تقسیم بھی کئے تھے!

اُس زمانے میں انڈین نیشنل کانگریس سے جو ذہنی اور قلبی بُعد تھا' اس کے باعث "کانگرسی علماء" سے ظاہر ہے کہ کسی ذہنی یا قلبی قرب کا امکان ہی نہیں تھا۔ چنانچہ مولانا مدنیؒ تو چونکہ صرف مدرس اور مقرر تھے' مصنف یا مؤلف تھے ہی نہیں' لہٰذا ان سے تو کسی ذاتی "تعارف" کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بس ان کے سیاسی موقف کے باعث ان سے ایک "غائبانہ حجاب" طاری رہا۔ (اگرچہ الحمدللہ کہ اُس دور میں بھی میری زبان سے ان کی شان میں کوئی گستاخانہ یا توہین آمیز کلمہ نہیں نکلا۔) ان کے برعکس مولانا آزاد قلم کے شہسوار تھے لیکن ان کے ضمن میں بھی باوجود اس کے کہ میں نے بہت کوشش سے "مقالاتِ الہلال" اور "مضامینِ الہلال" نامی کتابیں حاصل کیں اور انہیں جیسے تیسے پڑھ بھی ڈالا تھا' لیکن کچھ ان کی زبان کی ثقالت کے باعث' اور کچھ اپنے مذکورہ بالا ذہنی بُعد کی بناء پر اُس وقت مولانا آزاد سے بھی کوئی مناسبت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ تاہم مولانا مودودی' ان کی جماعت' اور ان کے موقف سے نہ صرف بہت حد تک واقفیت حاصل ہو چکی تھی' بلکہ ان کے ساتھ کسی قدر ذہنی اور قلبی ربط بھی قائم ہو چکا تھا۔ لیکن بحمداللہ اس نیم شعوری' بلکہ بے شعوری کے دور میں بھی یہ توازن برقرار تھا کہ ایک جانب میں جماعت اسلامی کے ہفتہ وار اجتماع میں بھی شریک ہوتا رہتا تھا اور مرزا مسرت بیگ مرحوم کے پرجوش اور ولولہ انگیز درسِ

قرآن سے محظوظ ہوتا تھا تو دوسری جانب میری ساری عملی تگ و دو اور بھاگ دوڑ تحریک پاکستان ہی کے ضمن میں تھی۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے لوگوں سے میں مسلم لیگ اور پاکستان کے دفاع میں جھگڑتا تھا تو مسلم لیگ اور فیڈریشن کے حلقوں میں مولانا مودودی کی مدافعت کرتا تھا۔ چنانچہ میرے ایک کلاس فیلو ولی اللہ خاں جو مسلم لیگ اور پاکستان کے پرجوش حامی اور فیڈریشن کے فعال کارکن تھے (اب وہ ملتان میں مقیم ہیں اور وکالت کرتے ہیں) مولانا مودودی کا نام بگاڑ کر "مردودی" کہا کرتے تھے جس پر میری ان سے کئی بار لڑائی ہوئی۔ اور ----- یادش بخیر' جس قسم کا شذرہ آج "نوائے وقت" نے میرے بارے میں شائع کیا ہے' اسی قسم کا شذرہ اس زمانے میں حمید نظامی مرحوم نے "مولانا مودودی کی خدمتِ بابرکت میں!" کے عنوان سے تحریر کیا تھا۔

الغرض' علامہ اقبال کے ان الفاظ کے مصداق کہ ع "میں اصل کا خاص سومناتی!" میں بھی اصلاً اور ابتداءً مسلم لیگی اور پاکستانی ہوں' مزید برآں جیسے جیسے میرا شعوری فکر پروان چڑھا یہ حقیقت مجھ پر زیادہ سے زیادہ منکشف ہوتی چلی گئی کہ پاکستان کا قیام مشیتِ ایزدی اور حکمتِ خداوندی میں اسلام کے عالمی غلبے اور کل روئے ارضی پر نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوت کے قیام کے طویل منصوبے کی اہم کڑی ہے۔ اور اس کی پشت پر اسلامیانِ ہند کی ۱۸۵۷ء کے بعد کی نوے سالہ قومی جدوجہد تو ہے ہی' دراصل اس کے ڈانڈے الفِ ثانی کی پوری تجدیدی مساعی کے ساتھ ملتے ہیں۔ البتہ جن دو اعاظم رجال کو اللہ تعالیٰ نے قیام پاکستان کا فوری ذریعہ اور سبب بنایا یعنی حکیم الملت علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح' ان کے مابین میں اس فرق و امتیاز کو لازمی سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے اصل مجوز و مفکر و مصور علامہ اقبال تھے۔ اور ان کا اصل جذبۂ محرکہ احیاءِ اسلام تھا' جبکہ اس کے مؤسس اور بانی و معمار قائداعظم تھے اور ان کا اصل جذبۂ محرکہ مسلمانانِ ہند کی اکثریت کو ہندوؤں کی انتقامی اور استحصالی دست برد سے محفوظ کرنا تھا۔ اور اگرچہ ذاتی طور پر میں ان دونوں ہی کا ممنونِ احسان ہوں' لیکن چونکہ قائداعظم کا کام تو قیام پاکستان پر بایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا جبکہ اسے ایک

حقیقی اسلامی ریاست بنانے کا کام ابھی باقی ہے اور اس کے لئے اصل ضرورت علامہ اقبال کے فکر اور فلسفے اور سیاست' معیشت اور معاشرت کے میدان میں نظام اسلام کی اس تعبیر جدید کی ہے جو ان کے افکار و نظریات میں موجود ہے' لہٰذا جہاں دعوت و تحریک کے میدان میں میرے امام مولانا آزاد اور مولانا مودودی ہیں' وہاں فکر و نظر کے میدان میں میرے اصل "امام" علامہ اقبال ہیں۔

تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ جب قیام پاکستان کے فوراً بعد عید الفطر کے روز ہی حصار میں مسلمانوں پر ہندوؤں کے حملے شروع ہو گئے تو پورے ڈھائی ماہ اس کیفیت میں مبتلا رہ کر کہ ہر لحظہ موت زندگی کے مقابلے میں قریب تر محسوس ہوتی تھی' اور بالآخر حصار سے سلیمانکی ہیڈ ورکس تک ۱۷۰ میل کا فاصلہ ایک پیدل قافلہ کے ساتھ بیس دنوں میں استعاراتی نہیں بالکل واقعاتی طور پر "آگ اور خون کے دریا" عبور کر کے اپنے خوابوں کی سرزمین پاکستان پہنچنا نصیب ہوا۔ اور پھر سلیمانکی سے ایک ٹرک کے پچھلے حصے میں کھڑے ہو کر لگ بھگ پچاس میل کا سفر کچے راستے سے طے کر کے' گرد و غبار میں اٹے ہوئے اوکاڑہ پہنچے تو یہ دیکھ کر دل و دماغ کو شدید دھچکا لگا کہ وہاں بازار میں فحش فلمی گانوں کے ریکارڈ لاؤڈ سپیکر پر بلند آواز سے بج رہے تھے! چنانچہ مولانا مودودی کے موقف کی صداقت و حقانیت جو منطقی اور علمی طور پر پہلے بھی واضح تھی اب ایک واقعہ بن کر سامنے آ کھڑی ہوئی ----- اور یہ حقیقت پورے طور پر منکشف ہو گئی کہ پاکستان کا حصول اور قیام تو صرف پہلا مرحلہ تھا۔ ع "وقتِ فرصت ہے کہاں' کام ابھی باقی ہے!" کے مصداق دوسرا اور اہم تر مرحلہ ابھی سر کرنا ہے' یعنی اسے ایک حقیقی اسلامی ریاست بنانے کا کٹھن کام ابھی باقی ہے۔ گویا بقول فیض۔

نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

چنانچہ ورودِ پاکستان کے فوراً بعد سے پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے عظیم مقصد کی خاطر جو مولانا مودودی کا دامن تھاما تو پورے دس برس تک تھامے

رکھا۔ پہلے پانچ سال پوری یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ' اور باقی پانچ سال ابتداءً کچھ بے چینی اور بے اطمینانی اور بالآخر واضح اور معیّن اختلاف کے ساتھ۔ اس لئے کہ یہ احساس تو مجھے ۵۳ء ہی میں ہو گیا تھا کہ جماعت اسلامی کی تحریک کی گاڑی کہیں غلط کانٹا بدل آئی ہے اور ہم کوئی غلط موڑ مڑ گئے ہیں' اگرچہ تعین کے ساتھ یہ معلوم نہ تھا کہ یہ کانٹا کب بدلا گیا اور غلط موڑ کس مقام پر مڑا گیا' لیکن ۵۵ء میں یہ بات مجھ پر پورے طور پر منکشف ہو گئی کہ جماعت اسلامی نے قیام پاکستان کے بعد اپنے ان تین کاموں پر مستزاد جو وہ ابتداء سے کرتی چلی آ رہی تھی جو دو اضافی اقدام کئے ان میں سے ایک تو صد فی صد صحیح تھا' جبکہ دوسرا اتنا ہی غلط تھا' جس کے نتیجے میں جماعت اسلامی کی تحریک کی اساسی نوعیت ہی بدل گئی ہے۔ چنانچہ جو تین کام جماعت اپنے یوم قیام سے لے کر پورے چھ سال تک قومی جدوجہد کے دھارے سے کٹ کر پوری دلجمعی اور استقلال کے ساتھ کرتی رہی تھی وہ تھے : اولاً ذہنی اور فکری انقلاب' ثانیاً عملی اور اخلاقی اصلاح' اور ثالثاً ایک مضبوط نظم والی جماعت کا قیام اور اس کی توسیع ---- ان پر جس صحیح کام کا اضافہ ۴۸ء میں کیا گیا وہ تھا دستور اسلامی کا "مطالبہ" اور اس کے لئے عوامی مہم' جس کے نتیجے میں "قرار دادِ مقاصد" پاس ہوئی جو عہدِ حاضر میں احیائے اسلام کی جدوجہد کی راہ کا اہم سنگِ میل ہے --- جبکہ دوسرا صد فی صد غلط قدم تھا انتخابی سیاست کے میدان میں داخلہ' جس نے جماعت اسلامی کو "ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت" کی بجائے "ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت" بنا کر رکھ دیا ---- چنانچہ اپنے اس تجزیئے کو میں نے ۱۹۵۶ء ہی میں جبکہ میری عمر کل چوبیس برس تھی' ایک رکنِ جماعت اور پارٹی ورکر کی حیثیت میں ڈھائی سو صفحات پر پھیلی ہوئی تحریر میں مدلل اور مبرہن طور پر تحریر کر دیا تھا --- اور' بحمد اللہ' آج ۳۷ برس گزر جانے کے بعد بھی' جبکہ میں "مسنون عمر" تو پوری کر چکا ہوں طبعی عمر کے بھی آخری حصے میں ہوں' اپنے اس تجزیئے کو صد فی صد صحیح اور درست سمجھتا ہوں۔ چنانچہ ۵۶ء سے میرا مستقل موقف یہ رہا ہے' اور آج بھی ہے' کہ اگرچہ پاکستان کی سالمیت اور بقاء کے

لئے یہاں جمہوری' سیاسی اور انتخابی عمل کا جاری رہنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی انسان کے زندہ رہنے کے لئے ہوا پانی اور غذا کی فراہمی' لیکن پاکستان کے استحکام اور اس کا باعزت اور باوقار وجود صرف اسلام کے سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام یعنی دین حق کے نظام عدل اجتماعی کے قیام میں مضمر ہے---اور اس کے قیام کی جانب کوئی پیشقدمی انتخابی عمل میں شریک ہو کر ممکن نہیں' بلکہ صرف اور صرف انقلابی عمل کے ذریعے ممکن ہے۔ تاہم انتخابات میں حصہ لینے کو میں نے نہ کبھی حرام قرار دیا ہے نہ مکروہ تحریمی' بلکہ جو مذہبی جماعتیں اس میدان میں سرگرمی پر مصر ہی ہوں ان کو ہمیشہ یہ مشورہ دیا ہے کہ "یا چناں کن یا چنیں!" کے مصداق یا تو سب مل کر ایک جھنڈے تلے اور ایک پلیٹ فارم سے انتخابات میں حصہ لیں' یا پھر پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ ورنہ ۷۰ء کی تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہے گی۔ (اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ یہ اندازہ مجھے بھی نہیں تھا کہ اس بار تاریخ کا فیصلہ اس قدر "بے رحمانہ" ہو گا جتنا بالفعل ہوا۔)

اس ضمن میں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ میرے نزدیک جماعت اسلامی ہو یا کوئی دوسری مذہبی جماعت' ان کے انتخابات میں حصہ لینے کے فیصلے یا اقدام کو میں ہرگز کسی بدنیتی پر محمول نہیں کرتا۔ بلکہ اب سے ۳۷ سال قبل بھی میں نے اپنے متذکرہ بالا بیان میں اسے صرف "عجلت پسندی" پر مبنی قرار دیا تھا' اور آج بھی اسے بس سادہ لوحی کی بنا پر پاکستانی قوم اور معاشرے کی ذہنی و فکری' قلبی و روحانی' اور اخلاقی و عملی کیفیات کی غلط تشخیص کا مظہر اور شاخسانہ قرار دیتا ہوں۔ اور میرے نزدیک وہ غلط تشخیص اور تجزیہ یہ ہے کہ---"قوم کی عظیم اکثریت مسلمان تو ہے ہی' اس کے دلوں میں ایمان اور اللہ اور رسول ﷺ سے شدید محبت بھی موجود ہے' ساری خرابی صرف عمل میں کمی کی ہے' اور اس کی اجتماعی بے راہ روی کا اصل سبب ایک محدود بر سراقتدار طبقہ ہے جو اس کے سر پر سوار ہے اور اسے جبراً الحاد اور سیکولرزم' اور مادیت و اباحیت کی جانب لئے جا رہا ہے' لہٰذا اگر قوم کے مذہبی جذبات

کو اپیل بلکہ مشتعل کر کے کسی طرح انتخابات کے ذریعے ایک بار مسندِ اقتدار اور ایوان حکومت میں براجمان ہو جایا جائے تو پھر چونکہ ع "اگر ہو تا گل اپنا، باغ اپنا، باغباں اپنا!" کے مصداق نظامِ تعلیم بھی ہمارے اختیار میں ہو گا، اور جملہ ذرائع ابلاغ بھی ہمارے تسلط میں ہوں گے اور پھر "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" پر ریاستی اور حکومتی جبر کے ذریعے بھی عمل کیا جا سکے گا، لہٰذا اصلاحِ معاشرہ کا عمل بآسانی مکمل کر لیا جائے گا۔" اس کے برعکس میری تشخیص اور تجزیہ، جو حالیہ انتخابات کے نتیجے میں تو نوشتۂ دیوار بن کر سامنے آ چکا ہے، یہ ہے کہ --- "اگرچہ یہ درست ہے کہ بے پردگی، عریانی، فحاشی اور اباحیت ہمارے صرف ایک محدود طبقہ "مترفین" یعنی صاحب دولت و ثروت، یا صاحب حیثیت و وجاہت لوگوں میں ہے (اگرچہ اسے ہمارے پریس اور ذرائع ابلاغ نے بہت غیر متناسب طور پر بڑھا چڑھا کر پراجیکٹ کر دیا ہے۔) اور اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ شعوری الحاد اور مادہ پرستی بھی ہمارے صرف جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ایک حصے تک ہی محدود ہے، --- لیکن دوسری جانب واقعہ یہ ہے کہ جہاں ہمارے عوام کی معتد بہ تعداد مشرکانہ اوہام میں مبتلا ہے، -- وہاں عوام اور خواص دونوں کی عظیم اکثریت ع "عارف و عامی تمام بندۂ لات و منات" کے مصداق دنیا پرستی اور مادہ پرستی کے عملی شرک میں مبتلا ہیں۔ اور جسے ہم "ایمان" سمجھتے ہیں وہ اصل میں صرف ایک "موروثی عقیدہ" ہے حقیقی ایمان نہیں!"

بنابریں "کرنے کے اصل کام" یہ ہیں کہ:-

(۱) قرآن حکیم کی آیاتِ بینات کے مدلل اور پرجوش ابلاغ کے ذریعے عوام اور بالخصوص جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ایک جانب الحاد اور مادیت، اور دوسری جانب مشرکانہ اوہام کے اندھیروں سے نکال کر توحید، معاد، اور رسالت پر ایمان کے نور میں داخل کیا جائے تاکہ وہ دنیا پرستی کے عملی شرک سے نجات پائیں۔

(۲) جو لوگ شعوری ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو جائیں انہیں ایک جانب اللہ اور رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت، اور دوسری جانب ایک ایسی جماعت کے

نظم کی پابندی کا خوگر بنائیں جس کا کوئی فیصلہ اور اقدام قرآن و سنت سے متصادم' حدودِ شریعت سے متجاوز' اور شرافت اور شائستگی کے منافی نہ ہو۔

(۳) قولِ اقبال : ع "بانشۂ درویشی در سازو دمادم زن!" یعنی "فقر اور درویشی کی روش اختیار کر کے خوب محنت کئے جاؤ!" کے مصداق ان دو کاموں پر پوری قوت مرکوز کرنے کے ساتھ ساتھ زبان اور قلم کی بھرپور استعداد' اور جملہ ممکن الحصول ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لا کر "نہی عن المنکر بِاللّسان" کا دینی فریضہ ادا کرتے رہیں۔ اور اس پر جس تمسخر و استہزاء یا معاشرتی دباؤ کا سامنا ہو اسے "صبر جمیل" کے ساتھ برداشت کریں۔

(۴) تا آنکہ جب عددی قوت مناسب حد تک فراہم ہو جائے' اور عملی' اخلاقی اور تنظیمی تربیت بھی معیار مطلوب تک پہنچ جائے تو ع "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!" یعنی "پھر جب پوری طرح تیار ہو جاؤ تو حکومتِ وقت سے ٹکرا جاؤ!!" کے مصداق "نہی عن المنکر بِالید" یعنی منکرات کے قوت کے ساتھ استیصال کے لئے' جن میں سرفہرست سود اور جاگیرداری ہیں' پرامن اور منظم مزاحمتی تحریک کی خاطر سربکف اور کفن بردوش ہو کر میدان میں اتریں اور پھر ع "یا تن رسد بہ جاناں' یا جاں زِتن بر آید" یعنی "یا جسم محبوب کے قدموں میں پہنچ جائے یا جان جسم سے نکل جائے" کے مصداق یا دینِ حق کا بول بالا کر کے دم لیں یا جامِ شہادت نوش کر لیں!

چنانچہ سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۸ : ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ یعنی "کہہ دو کہ یہ ہے میرا راستہ! میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں' نہ صرف خود' بلکہ میرے متبعین بھی' (لیکن اندھے بہرے نہیں بلکہ) پوری طرح علیٰ وجہ البصیرت!" کے مصداق میں اور میرے ساتھی اسی راستے پر گامزن ہیں۔

آخر میں نوائے وقت کے شذرہ نگار کی خدمت میں دو باتیں ضمنی طور پر عرض

ہیں :

(۱) ایک یہ کہ کیاان کے نزدیک "قومی دھارا" صرف انتخابات میں حصہ لے کر کشاکشِ اقتدار میں شریک ہونے سے عبارت ہے؟------- اور کیالوگوں کو ذہنی اور فکری طور پر اسلام کی تعلیمات پر مطمئن کرنا' ان کے قلوب واذہان میں ایمان کی جوت جگانے کی کوشش کرنا' اور ان کی عملی اور اخلاقی اصلاح کی سعی کرنا "قومی دھارے" سے خارج ہیں؟ خصوصاً اس ملک کے "قومی دھارے" سے جس کا قیام بھی اسلام کے نام پر ہوا تھا اور جس کا استحکام بھی' وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ 'اسلام ہی کے ذریعے ممکن ہے! اور (۲) رہا آپ کا یہ مخلصانہ اور مشفقانہ "اندیشہ" کہ کہیں میں بھی "قاضی اور قادری کی صف میں کھڑا" نہ دکھائی دوں ---- تو گزارش ہے کہ یہ اس لئے بھی محال اور ناممکن ہے کہ کہاں مجھ جیسا حقیر اور ناچیز انسان' اور کہاں ان حضرات کا بلند و بالا مقام! چنانچہ کہاں میری یہ حیثیت کہ میں نے کبھی یہ بھی نہیں کہا کہ جس انقلاب کے لئے میں نے اپنی پوری زندگی اور کُل متاعِ حیات صَرف کر دی ہے اس کی کوئی جھلک اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں گا۔ کہاں ان حضرات کے یہ "دعوے" کہ ایک صاحب نے ۹۰ء میں کہا تھا کہ اس الیکشن میں تو ہم لازماً تیسری بڑی طاقت بن کر ابھریں گے ہی' آئندہ انتخابات میں حکومت یقیناً ہماری بنے گی اور اس طرح "مصطفویؐ انقلاب" کی تکمیل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ہم دعوت' تنظیم اور تربیت کے جملہ مراحل طے کر کے اب آخری اقدام کے مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور دوسرے صاحب نے اس بار "قاضی آرہا ہے!" کا غلغلہ اس زور شور سے بلند کیا کہ میر انیس اور دبیر کے مرثیوں کی یاد تازہ ہو گئی کہ ۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے!

---- اور اس لئے بھی کہ میں نے بحمد اللہ نہ آج تک یہ قلابازی کھائی ہے کہ لاہور کی دیواروں کو "سرمایہ داروں اور جاگیرداروں" کے خلاف نعروں سے سیاہ کرنے کے

بعد ان ہی کے ساتھ مل کر آئی جے آئی بنالی ہو' نہ یہ کہ انتخابات میں زور شور اور آن بان کے ساتھ حصہ لے کر چاروں شانے چت ہو جانے کے بعد' اور بعض حضرات کے بقول اس بنا پر کہ "امیدوار" ہی دستیاب نہ ہو رہے ہوں اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا ہو ..... اس کے برعکس میں اپنی شعوری زندگی کے آغاز سے آج تک ایک ہی راستہ پر گامزن ہوں اور اپنی سب سے بڑی کامیابی اس کو سمجھتا ہوں کہ اسی راستہ پر چلتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کردوں'

وَذٰلِکَ ھُوَ الفَوزُ العَظِیم!!

امیر تنظیم اسلامی کے درج ذیل دو اہم خطابات

پر مشتمل ایک وڈیو کیسٹ تیار کیا گیا ہے۔ قیمت فی کیسٹ۔/۱۵۰ روپے

(۱) دعوت رجوع الی القرآن (بتاریخ ۳/اپریل ۱۹۹۰ء)

(۲) قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں (جمعہ ۲۳ ستمبر ۱۹۹۴ء)

------ مزید برآں ------

نیو جرسی (امریکہ) میں امیر تنظیم کے فکر انگیز خطاب (بزبان اردو)

"اسلام اور برعظیم پاک و ہند"

کا وڈیو کیسٹ بھی دستیاب ہے۔ قیمت فی کیسٹ /۱۵۰ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' ۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

لمحۂ فکریہ

ہم کہاں کھڑے ہیں!

مسلم امّہ کے موجودہ تشویش ناک حالات پر ایک طائرانہ نظر

انیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر بزرگ رفیق تنظیم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی ایک خصوصی تحریر

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

ایک عام لیکن کسی حد تک باشعور مسلمان بادی النظر سے ہی واقعات عالم کا جب مشاہدہ کرتا ہے تو اس نتیجہ تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آج پوری دنیا میں شدید مصائب و آلام سے سب سے زیادہ مسلمان دوچار ہیں' خواہ وہ کسی غیر مسلم مملکت میں اقلیت میں ہوں' خواہ سیاسی طور پر کسی آزاد مسلم ریاست کے شہری ہوں۔ پھر ان مصائب و آلام کی بھی بے شمار اقسام ہیں۔ جہاں وہ اقلیت میں ہیں' وہاں وہ غیر مسلم حکمرانوں کے بالعموم اور غیر مسلم اکثریت کے بالخصوص ظلم و ستم' جور و تعدی اور وحشت و بربریت اور چیرہ دستیوں کے شکار ہیں۔ جیسے ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں' جہاں ملک کی کل آبادی کا قریباً پانچواں حصہ ہونے کے باوجود' ان کا اسلامی تشخص یا ان کا وجود ختم کرنے اور مٹانے کی پیہم منظم و حشیانہ کوششیں جاری ہیں۔ اور جیسے بوسنیا اور ہرزگووینا کی ریاستیں' جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور متحدہ یوگوسلاویہ کے تحلیل ہو جانے کے بعد جہاں عیسائی اکثریت رکھنے والے ممالک کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی منشا اور پسند کے مطابق اپنا دستور اور نظام حکومت بنائیں' وہاں مسلم اکثریت والی ان ریاستوں کا بھی حق ہے کہ وہ اپنی حسب منشا یہ کام کریں۔ لیکن پڑوسی عیسائی حکومتوں کو یہ گوارا نہیں' لہٰذا پوری قوت کے ساتھ وہ ان مسلم اکثریت والی ریاستوں کے باشندوں کی نسل کشی اور ان کو اپنے ہی وطن سے بے دخل کرنے کے لئے وہ مظالم ڈھا رہے ہیں جن کو دیکھ کر شاید چنگیز اور ہلاکو جیسے وحشی بھی شرمائیں۔ اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ یورپی ممالک اور امریکہ کی (حقوق انسانی کی حفاظت اور پاسداری جن کا جزو ایمان ہے) کھلی اور چھپی تمام ہمدردیاں ہی نہیں بلکہ مادی امداد بھی ان ظالموں کی پشت پر ہے۔

جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور سیاسی طور پر آزاد بھی' وہاں وہ قبائلی عصبیت جاہلیہ کے ہاتھوں آپس میں دست و گریباں ہی نہیں' بلکہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ جیسے ہمارا پڑوسی ملک افغانستان' جہاں مجاہدین اسلام اور مجاہدین حریت نے اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر دور حاضر کی ایک جارح اور قابض سپر پاور کو نہ صرف اپنے ملک سے نکلنے پر مجبور کیا بلکہ دنیا کی اس سپر پاور کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی' چنانچہ سوویت یونین کا شیرازہ ہی بکھر گیا اور وہ قریباً دس بارہ آزاد ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔

اور جیسے شمالی افریقہ کے بعض ممالک جو ایک طرف قبائلی عصبیت کے باعث تقسیم در تقسیم ہو کر ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہیں اور ان میں خونیں مسلح تصادم جاری ہے تو دوسری طرف آفات سماوی و ارضی نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے۔ قحط اور وبائی امراض کی بدولت روزانہ ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن رہے ہیں جیسے صومالیہ' چاڈ اور ایتھیوپیا وغیرہ۔

پھر جیسے مصر' الجزائر' شام وغیرہ' جہاں لادینیت (سیکولرزم) کے دلدادہ ہی نہیں بلکہ "مومن صادق" لیکن نام نہاد مسلم حکمران' ریاست و حکومت کے تمام وسائل ان لوگوں پر تعذیب و تشدد کرنے اور ان کو دار و رسن کا مزا چکھانے میں صرف کر رہے ہیں جو اپنے ممالک میں اسلام کو ایک مکمل نظام حیات کی صورت میں قائم و نافذ کرنے کا عزم صادق رکھتے ہیں۔ حکمران طبقے کے اسی تعدی و عدوان کا یہ ردعمل ہے کہ یہ لوگ دہشت گردی کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ طریقہ "منہج انقلاب نبوی علیٰ صاحبہ الصلوۃ والسلام" کے مزاج سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا' بلکہ ایک اعتبار سے اس کی ضد ہے لہٰذا اس طور پر کسی خیر کے برآمد ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

پھر جیسے انڈونیشیا' جہاں حکومت کے اغماض اور صرف نظر کے باعث ایک طرف ایک منظم منصوبہ بندی سے سادہ لوح ان پڑھ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ ہو رہی ہے اور بڑے پیمانے پر انہیں مرتد بنایا جا رہا ہے تو دوسری طرف حکومتی اداروں کی سرپرستی میں ذرائع ابلاغ (اخبارات' جرائد' رسائل اور ٹیلی ویژن) Sugar Coated انداز میں تعلیم یافتہ طبقے بالخصوص نوجوانوں میں الحاد' عریانی' فحاشی اور جنس زدگی کا زہر اتار رہے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ فلموں' ڈیڈیوز اور ثقافت کے نام پر نیز اسٹیج ڈراموں اور انواع و اقسام کے ناچ گانوں کے پروگراموں کے ذریعہ سے منکرات فروغ پا رہے ہیں۔ ان سب کی پشت پر غیر ملکی عیسائی ادارے ہیں جو اپنے سرپرستوں کو یہ نوید جانفزا سناتے رہتے ہیں کہ دس بارہ سال کے اندر اندر یہاں عیسائیوں کی اکثریت ہو جائے گی۔

اور جیسے مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے مغربی ساحل پر واقع ماسوا سوڈان اور کسی حد تک لیبیا' مسلم ریاستوں کا المناک حال ہے کہ قریباً پینتالیس سال تک کوئی ملک "اسرائیل" کو ایک جائز اور آزاد و خود مختار ملک تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا' لیکن قریباً پانچ سال کے عرصے سے فلک نیلی فام قلب یہود کا یہ نظارہ دیکھ رہا ہے کہ اسپین کے شہر میڈرڈ میں (جہاں پانچ سو سال قبل تک تقریباً آٹھ سو سال مسلمانوں نے حکومت کی تھی) اسرائیل اور مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے اکثر ممالک کے مجاز نمائندے اسرائیل سے مستقل اور پائیدار امن کے حالات قائم کرنے کے لئے گفت و شنید اور مذاکرات کر رہے ہیں۔ فوا حسرتا و یا اسفا۔ اس کا المناک ترین پہلو یہ ہے کہ آزادی فلسطین کے "قائد" "حریت ارض مقدس کے بطل جلیل" "جہاد و مجاہدہ کی علامت عظیم" "یاسر عرفات صاحب" غزہ کی پٹی میں "اسرائیل" کی جانب سے اس سے بھی کم اختیارات و حقوق ملنے پر جو ہندوستان میں انگریزی حکومت نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور رجواڑوں (جیسے جھجر' الور' ٹونک' مالیر کوٹلہ' بلاس پور وغیرہ) کو دیئے ہوئے تھے' نہایت فرحاں اور نازاں ہیں اور اس "خود فریبی" میں مبتلا ہیں بلکہ دنیا کو فریب دے رہے ہیں کہ انہوں نے

ارض فلسطین کو یہودیوں کے پنجے سے چھڑانے میں پیش خیمہ کے طور پر ایک اہم مثالی کامیابی حاصل کرلی ہے۔ اسی المیہ کا دوسرا دردناک ہی نہیں بلکہ بے حمیتی و بے غیرتی کا یہ مظاہرہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ اردن اور مراکش نے تو اسرائیل سے دوستی کی علامت کے طور پر باقاعدہ سفارتی تعلقات قائم کرلئے ہیں۔ نیز نظر آرہا ہے کہ شام اس شرط کے ساتھ کہ جولان کی پہاڑیوں پر اسرائیل اپنا قبضہ ختم کرکے اسے شام کے حوالے کردے' اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے پر آمادہ ہے۔ جبکہ مصر تو ۱۹۷۳ء کی جنگ کے بعد ہی سے اسرائیل کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اب ایک نگاہ اپنے "ملک خداداد" پاکستان پر بھی ڈال لیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اپنے عزیز وطن کے حالات کے تذکرہ پر فکر و نظر اور روح و قلب پر ایک شدید لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور حالات زار کی منظر کشی کے لئے قلم سوچ کا ساتھ نہیں دیتا۔ کلام ربانی سے رہنمائی حاصل کی جائے تو صورت واقعہ کچھ اس آیت کے مطابق ہے کہ ﴿وکنتم علی شفا حفرۃ من النار﴾ گویا ہم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہیں--- اور ایک معمولی سادھکا ہم کو اس میں دھکیل دے گا۔ مزید رہنمائی کے لیے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے جو ابد الاباد تک کے لئے صرف ایمان والوں کے لئے نہیں بلکہ پوری نوع انسانی کے لئے الھدیٰ (The Only Guidance) ہے' سنت اللہ کا ذکر ان الفاظ مبارکہ میں سامنے آکر سرمہ چشم کشا بنے گا (بشرطیکہ نصیحت حاصل کرنا مقصود ہو) کہ ﴿قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض﴾ یعنی "اے نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ "اس (اللہ) کو اس امر پر قدرت و اختیار حاصل ہے کہ وہ (تبارک و تعالیٰ) تم پر اوپر سے عذاب نازل فرمادے (جیسے پتھر برسانا یا طوفان بادو باراں آنا) یا تمہارے قدموں کے نیچے سے (عذاب بھیج دے' جیسے زلزلہ' سیلاب' قحط سالی' مہنگائی) یا تم کو مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کرکے ان کو ایک دوسرے سے لڑا کر قتل و غارت گری کا مزا چکھادے---- (کہ امن و امان رخصت ہو جائے اور خوف کی کیفیت طاری ہو جائے)"۔

ہماری شامت اعمال کے باعث آج ہمارا وہ ملک کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ان تینوں انواع کے عذاب کی زد میں نظر آرہا ہے--- جو اسلامی نظام حیات یا عام فہم الفاظ و اصطلاح میں نظام خلافت کے قیام و نفاذ کے لئے بڑے بڑے دعاوی و عزائم کے ساتھ حاصل کیا گیا تھا تاکہ عہد حاضر میں اسلام کے اخوت و حریت و مساوات اور عدل و قسط پر مبنی نظام حکومت اور دنیوی اعتبار سے ایک حقیقی و واقعی فلاحی ریاست کا نمونہ (model) دنیا کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ پھر اس ملک کے حصول کے لئے تقسیم کے موقع پر اس وقت کی مسلمانوں کی تقریباً نصف تعداد کو (جو غیر مسلموں کی اکثریت والے صوبوں میں آباد تھی) ہندو جیسی متعصب' کم ظرف' تنگ نظر' شقی القلب اور انتقامی جذبات سے لبریز قوم کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک ہندوستان (موجودہ بھارت) میں رہنے والے مسلمان ہندو قوم کے ظلم و ستم' تعذیب و تشدد اور جور و تعدی کا نشانہ بن رہے ہیں اور شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جس میں ان مسلمانوں کے خون سے ہولی نہ کھیلی جاتی ہو۔ گویا پاکستان میں دنیوی طور پر جو ظاہری مادی چکاچوند اور اسراف و تبذیر نظر

آتی ہے وہ معنوی اعتبار سے بھارتی مسلمانوں کی خون کی سرخی کا مظہر ہے اور پاکستان میں اکل و شرب کے جو مزے لوٹے جا رہے ہیں' وہ بھارتی مسلمانوں کا گوشت اور خون پینے کے مترادف ہے۔

ہماری شامت اعمال بھی صرف کسی ایک شعبہ زندگی تک محدود نہیں بلکہ بڑی وسیع و بسیط ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اطمینان کا کوئی سانس لیا جا سکے۔ دینی و اخلاقی اعتبار سے ہمارا حال ان اشعار کی کامل تصویر ہے کہ

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

اور

یوں تو سید بھی ہو' مرزا بھی ہو' افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو' بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!!

چنانچہ ہمارے ملک کی کثیر آبادی کا دین سے تعلق محض ایک موروثی عقیدہ کی حیثیت سے باقی ہے۔ رہے شعوری مسلمان تو وہ خال خال ملیں گے۔ پھر بادی النظر سے بھی حالات یہ دکھائی دے رہے ہیں کہ جس مطالبہ اور جس اساس پر پاکستان بنوایا گیا تھا اس کو وفاداستوار کرنے کی طرف پیش قدمی کے بجائے قومی و ملی اعتبار سے ہمارا ہر قدم مخالف سمت میں اٹھ رہا اور بڑھ رہا ہے۔ ہمارا دعویٰ تھا کہ ہماری قومیت کی بنیاد صرف اور صرف دین ہے' اسلام ہے اور پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ۔ لیکن عملاً ہمارا حال یہ ہے کہ ملک کی بقاو استحکام کے لئے بنیان مرصوص بن کر پورے نظام کو اسلام کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش ہوتی اس کے بجائے صورت واقعہ یہ ہے کہ قوم علاقائی' لسانی اور ثقافتی و تہذیبی طبقات میں تقسیم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ پھر اس تقسیم میں تقسیم در تقسیم کا عمل بھی جاری ہے۔ ان عصبیتوں کے نتیجہ میں نفرتوں اور عداوتوں نے جاہلیت قدیمہ سے بھی زیادہ نقصان دہ اور خطرناک صورت اختیار کر رکھی ہے۔ ایک طبقہ دوسرے طبقے کے درپے آزار ہی نہیں رہا بلکہ ہر طبقہ میں ذیلی طبقات وجود میں آگئے ہیں جو آپس میں ہی دست و گریباں اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنتے جا رہے ہیں۔ الغرض وحدت دینی و قومی کا شیرازہ بکھر رہا ہے اور دامن تار تار ہو رہا ہے۔

اس صورت حال کا سب سے زیادہ دردناک اور پر خطر پہلو یہ ہے کہ جن اساسات و نظریات پر پاکستان قائم ہوا تھا' ان پر بڑی ڈھٹائی اور بے دردی سے تیشے چلائے جا رہے ہیں اور اس کو کامل طور پر سیکولر (لادینی) ریاست بنانے کے لئے موثر اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ شناختی کارڈ میں "مذہب" کے اندراج سے کورا انکار کیا گیا۔ اور اب ملک میں جداگانہ انتخاب کو ختم کر کے (جو مطالبہ پاکستان کے عوامل

میں بڑی اہمیت کی حیثیت سے شامل تھا) معتبر ذرائع خبر دے رہے ہیں کہ مخلوط انتخاب کو رائج کرنے کے لئے حزب اقتدار و اختلاف میں مفاہمت ہو گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

ملک میں امن و امان کی بدترین صورت حال سے بچہ بچہ واقف ہے۔ کراچی میں اخباری رپورٹوں کے مطابق اوسطاً روزانہ پندرہ ڈکیتیاں' دس قتل اور غارت گری کی وارداتیں ہو رہی ہیں۔ روزانہ اوسطاً چھ کاریں یا موٹر سائیکلیں چھینی جا رہی ہیں۔ کم و بیش یہی صورت حال ملک کے دوسرے بڑے شہروں کی ہے۔ یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو تھانوں میں درج شدہ رپورٹوں کی بنیاد پر اخبارات کے ذریعہ سے سامنے آتے ہیں۔ ورنہ نہ جانے ایسی کتنی وارداتیں وہ ہوں گی جن کو یا تو متاثر لوگ تھانوں میں درج ہی کرانے سے گریز و اجتناب کرتے ہوں یا جن کا خود تھانے والے اندراج کرنے سے انکار کرتے ہوں۔ (بلکہ آخر الذکر کا تناسب زیادہ ہی ہو گا)۔

اسی ضمن میں سب سے زیادہ اندوہناک اور دلوں کو پارہ پارہ کرنے والی صورت حال یہ ہے کہ مسلک کے اختلافات نے وحشت و بربریت کی نہایت سنگ دلانہ شکل اختیار کر لی ہے اور مساجد میں عین نماز با جماعت کے وقت نہایت طاقتور ہینڈ گرینیڈ نمازیوں پر پھینکے جاتے اور جدید اسلحہ سے اندھا دھند فائرنگ کی جا رہی ہے۔ نتیجہ ہر سانحہ میں دس پندرہ نمازی شہید اور بیسیوں شدید زخمی ہو جاتے ہیں۔ نوائے وقت کے وقائع نگار کے مطابق "اس مذہبی جنون اور خونیں تخریب کاری کا آغاز ۶ ستمبر ۱۹۹۱ء سے ہوا تھا جب کہ چوبرجی کوارٹرز گراؤنڈ میں سپاہ صحابہ کے زیر اہتمام منعقدہ "دفاع پاکستان کانفرنس" میں بم پھینکا گیا جس کے نتیجے میں چار افراد جاں بحق اور ساٹھ شدید زخمی ہوئے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا اور اس وقت سے ستمبر ۹۴ء تک صرف لاہور میں دیوبندی مسلک کی چھ مساجد اور شادباغ میں ایک امام باڑے کو اس شقاوت کا نشانہ بنایا جا چکا ہے"۔ اسی نوع کے کراچی میں بھی چند سانحات رونما ہو چکے ہیں--- خدارا سوچئے کہ یہ فرقہ وارانہ دہشت گری اور تخریب کاری کا اصل سبب کیا ایک نوع کا عذاب الٰہی نہیں ہے اور نہ کون سا فرقہ ہو گا جو اس طرح بے گناہوں' وہ بھی نمازیوں کو ہلاک اور زخمی کرنے اور عبادت گاہوں کی حرمت و تقدس کو پامال کرنے کی اجازت دے سکتا ہے!!

پاکستان کے افق پر قدیم و جدید "قیادت و سیادت" پر ہماری رائے کو ممکن ہے کہ محض مخالفانہ سمجھا جائے' لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں موجودہ "اسلامی نظریاتی کونسل" نے معاشرے کی اصلاح کے ضمن میں جاری کردہ رپورٹ میں جو تبصرہ کیا ہے اسے اختصار کے ساتھ پیش کر دیا جائے۔ اخباری خبروں کے مطابق اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "ہمارے معاشرے کی قیادت و سیادت کے دعویدار کئی سیاست دان جھوٹے' بدعنوان' سمگلر' جوئے کے اڈوں کے سرپرست اور جرائم پیشہ ہیں اور ہمارے سیاست دان اکثر ایک دوسرے پر جھوٹے اور من گھڑت الزامات لگاتے ہیں جو معاشرے میں خرابی کا باعث ہیں---- ہمارے ملک کے سیاست دان لاکھوں کے مجمعے میں غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور بدعنوانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہی سیاست دان ملک میں رشوت و سفارش کے فروغ میں معاون ہیں' قمار بازی کے اڈوں کے سرپرست اور سمگلروں اور سماج دشمن عناصر کے پشت پناہ ہیں۔ معاشرے کی قیادت کرنے

والوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ جرائم کی حوصلہ افزائی کریں۔"

ملک کی معیشت جس زبوں حالی کا شکار ہے اس کا دائرہ اور احاطہ اب اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ ایک انتہائی قلیل طبقہ کو چھوڑ کر جس کے پاس بے حد و حساب دولت کا ارتکاز ہے ملک کی عظیم ترین اکثریت کا حال یہ نظر آ رہا ہے کہ غریب طبقہ جلد ہی فقر و فاقہ کا شکار ہو سکتا ہے اور لوئر مڈل اور مڈل کلاس کے طبقے کو دو وقت کی روکھی سوکھی خوراک بھی بمشکل میسر آئے گی کیونکہ مہنگائی کے عفریت کی گرفت اتنی مضبوط اور ہمہ گیر ہو گئی ہے کہ اس کے پنجوں سے رستگاری آسان کام نہیں۔ اس کے برعکس ہمارے برسراقتدار طبقے کا (وہ زمانہ حال سے متعلق ہوں یا زمانہ ماضی قریب سے) حال یہ ہے کہ قومی خزانوں اور قومی وسائل کو انہوں نے اپنی جاگیر اور میراث سمجھ رکھا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کوئی خود یا ان کے خاندان کا کوئی فرد بیمار ہو (چاہے وہ کتنا ہی معمولی عارضہ کیوں نہ ہو) تو اس کے علاج کے لئے یورپ یا امریکہ کا سفر "ناگزیر" ہوتا ہے' چنانچہ اخباری اعداد و شمار کے مطابق سن ۸۹ء سے ستمبر ۹۴ء تک قریباً ساڑھے پانچ سال میں ان سیاست دانوں یا ان کے اہل و عیال کے علاج و معالجہ کے لئے قومی خزانے سے دس ارب سے بھی زیادہ (پاکستانی روپے نہیں) ڈالر صرف کئے جا چکے ہیں۔ پھر ان چند سالوں میں مالی اسکینڈلوں کا کوئی شمار ہی نہیں۔ جن میں سرمایہ کاری کے ان فراڈ اداروں کے علاوہ جنہوں نے لوئر مڈل کلاس طبقے (بیواؤں' یتیموں' معذوروں) کے اربوں روپے شیر مادر کی طرح ہڑپ کر لئے' تاج کمپنی' کوآپریٹو بینکوں' مہران بینک' حبیب بینک' گورنمنٹ کے ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ادارے وغیرہ اور حال ہی میں پی ٹی سی واؤچر اسکیم کے ذریعہ سے کروڑوں نہیں بلکہ اربوں روپے گنتی کے چند لوگوں نے اپنی جیبوں میں ڈال لئے ہیں۔ اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے والے ہمارے پیشہ ور سیاست دان (جو کبھی حزب اقتدار میں اور کبھی حزب اختلاف میں) نظر آتے ہیں) تو شامل ہیں ہی' ان کے اہل خاندان' دوست' حالی موالی' بیوروکریٹ اور صحافی بھی شریک نظر آتے ہیں (الا ماشاء اللہ)

اپنے مغربی پیشواؤں کے یہاں بھی جن سے ہم نے موجودہ خدا ناآشنا جمہوری نظام سیکھا ہے' حزب اقتدار و اختلاف کی تقسیم موجود نظر آتی ہے' لیکن چند اخلاقی اصولوں اور ضابطوں کے اندر اندر۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ قریباً گیارہ سال کے مارشل لاء کے دور استبداد کے بعد جمہوریت کو کچھ کام کرنے کا جو موقع ملا تو قومی و صوبائی اسمبلیوں کے ایوان سرمایہ کاری کے بے تحاشہ نفع دینے والے ادارے بن کر رہ گئے ہیں۔ ایک ایک نشست کے لئے ایک کروڑ روپے کا صرف تو معمولی بات ہے۔ معاملہ اس سے بھی کہیں آگے ہے۔ جو کامیاب ہو گئے ان کے تو پو بارہ ہی گئے' جو ناکام رہ گئے وہ اگلی ٹرم تک صبر کرنے کا حوصلہ نہیں پاتے' لہٰذا لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں اتر جاتے ہیں اور اپنی تمام توانائیاں' اپنے تمام وسائل حزب اقتدار کو زچ کرنے بلکہ گرانے میں لگا دیتے ہیں۔ گزشتہ تین چار سالوں کے اندر اندر پورا ملک ان سیاست دانوں کا اکھاڑہ بن کر رہ گیا ہے۔ اردو ادب کی فکاہی اور طنز و مزاح کی صنف میں لکھنؤ کی بھٹیارنوں کی چپقلش اور زبانی کلامی لڑائی' الزام و دشنام طرازی اور ضلع جگت کے بے محابہ استعمال کا ذکر ملتا ہے' لیکن امر واقعہ ہے کہ ان بھٹیارنوں کی اس غیر مسلح جنگ میں بھی ایک نوع کی شائستگی اور حس لطیف کے لئے تفریح

کا سامان مل جاتا ہے لیکن ہمارے یہاں حزب اقتدار و اختلاف میں جو محاذ آرائی ہو رہی ہے وہ جہاں ملک کی سالمیت و استحکام کے لئے انتہائی مہلک ہے کہ اس کا آخری منطقی نتیجہ خانہ جنگی تک پہنچ سکتا ہے' وہاں ہر نوع کی شائستگی اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطہ سے بے نیاز ہو کر یہ سیاسی لڑائی لڑی جا رہی ہے اور اس میں وہ زبان اور لب و لہجہ استعمال کیا جا رہا ہے جس کو سن کر لکھنؤ کی بھٹیارنیں بھی شرمائیں اور جن کے آگے "سوکنوں کی مہینہ لڑائی" بھی ماند پڑ جائے۔

پھر افسوس کا مقام یہ ہے کہ کوئی گروہ بھی یہ نہیں سوچتا کہ حزب اقتدار کو زچ کرنے اور گرانے کے بعد اگر مارشل لا نہیں لگا جو اس ملک کے لئے زہر قاتل ہے اور نئے انتخابات ہی منعقد ہوئے جن کے نتیجے میں موجودہ حزب اختلاف کو اقتدار مل بھی گیا تو کیا ناکام ہونے والی پارٹی انہی ہتھکنڈوں سے کام لے کر (جس سے وہ ماضی میں چھوٹے پیمانہ پر کام لے چکی ہے اور اب حزب اختلاف لے رہی ہے) اقتدار میں آنے والی پارٹی کو گرانے کے لئے پہلے سے بھی گھناؤنے طور پر کوشاں نہیں ہوگی---!! اس طرح آخر اس ملک کا کیا بنے گا۔؟

پھر پاکستان کا پیدائشی دشمن تاک میں لگا ہوا ہے کہ وہ موقع دیکھ کر وار کرے اور دو قومی نظریہ یعنی دین کی بنیاد پر مسلم قوم کے جداگانہ تشخص کو غلط ثابت کر کے پاکستان کو علاقائی اور لسانی ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان پر اپنا سیاسی تسلط قائم کر لے' ان کو اپنا دست نگر بنا لے اور کشمیر کو مستقل طور پر اپنے ملک میں ضم کر لے۔!!

آج کشمیر میں حریت پسندوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں' اس کی جھلکیاں روزانہ ٹیلی ویژن پر بڑے اہتمام سے دکھائی جاتی ہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اپنا اثر بالکل کھو چکی ہیں' کیونکہ ہر پاکستانی چشم سر سے جہاں سیاست دانوں کی ہر اخلاقی اعتبار سے مبرا چپقلش' محاذ آرائی اور ساتھ ہی لوٹ کھسوٹ دیکھ رہا ہے' وہاں اس کے سامنے یہ بات بھی ہے کہ ہم بحیثیت قوم و ملت مختلف اقسام کے "جشنوں" کی صورت میں قومی خزانہ کا کروڑوں کا سرمایہ لٹا رہے ہیں۔ ہمارے ذرائع ابلاغ (میڈیا) اباحیت اور غیر اسلامی شعار و تہذیب کے فروغ میں مصروف ہیں۔ حالانکہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب غزوۂ بدر جس میں مٹھی بھر اہل ایمان نے باطل پرستوں کے لشکر جرار کو شکست دی تھی اور جس کو اللہ تعالیٰ نے "یوم فرقان" قرار دیا تھا تو بدر کی شکست کے بعد قریش نے ہر قسم کے جشن منانا ترک کر دیا تھا۔ نیز ابو سفیان نے' جو اس وقت تک دولت ایمان سے محروم تھے' ہر نوع کے عیش و آرام کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ سب کے سب اہل ایمان سے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے تیاری میں ہمہ وجوہ مصروف ہو گئے تھے۔ جب کہ واحسرتا ہمارے اپنے ملک کا جو حال زار ہے' اس کی نہایت کرب و اضطراب کے ساتھ دھندلی سی تصویر کشی کی گئی ہے۔ رہا بین الاقوامی حالات کا معاملہ تو ان کا تذکرہ بھی واضح اشارات کی صورت میں کیا جا چکا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے پردے میں جیوز (یہودی) ورلڈ آرڈر کی سازشیں بھی طشت از بام ہو چکی ہیں۔ "اسرائیل" نے غزہ کی پٹی پر بلدیاتی نوعیت کے چند اختیارات دے کر اس "بطل حریت" کا ڈنک تو توڑ دیا ہے جس کا دنیا بھر میں شہرہ تھا۔ گویا کھلونا دے کر اس کو بہلا دیا گیا ہے۔ اردن اور مراکش پہلے ہی "اسرائیل" سے سفارتی تعلقات قائم کر

چکے ہیں۔ شام ایک شرط کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے پر بالکلیہ آمادہ ہے۔ تازہ ترین اخباری اطلاع یہ ہے کہ خلیج کی چھ ریاستوں نے جن میں سعودی عرب' متحدہ عرب امارات' بحرین' اومان' کویت اور قطر شامل ہیں' اسرائیل سے تجارتی تعلقات کے انقطاع پر سے علی الاعلان پابندی اٹھالی ہے۔ اب یہ تجارت ان امریکی فرموں کے توسط سے ہوگی جن کو ان ریاستوں نے بلیک لسٹ کر رکھا تھا۔ ملت اسلامیہ کے تابوت میں گویا ایک کیل اور ٹھونک دی گئی ہے۔

الغرض اس وقت دنیا میں مسلمانوں کا چاہے وہ خود مختار اور آزاد ملک کے رہنے والے ہوں' چاہے کسی غیر مسلم ریاست کے شہری ہوں' حال زار وہ ہے جس کا تذکرہ یہود کے کرتوتوں کے باعث قرآن مجید میں بایں الفاظ ملتا ہے کہ : "ضربت علیھم الذلہ والمسکنہ وباء وبغضب من اللہ" واقعہ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں وقار' عزت کا کوئی مقام مسلمان قوم کو حاصل نہیں ہے۔ کسی نہ کسی اعتبار سے ذلت و مسکنت ہم سب پر مسلط ہے۔

آخر یہ سب کیوں ہے؟ ع "برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر!" والا معاملہ کس لئے؟ اس کا جواب ہمیں واضح طور پر کلام الٰہی قرآن مجید' فرقان حمید میں جا بجا مختلف اسالیب سے مل جائے گا۔ یہی کتاب مبین ہمارے لئے تا قیام قیامت الھدیٰ ہے' امام ہے' حجت ہے۔ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ چنانچہ چند اشارات پر اکتفا کرنا ہوگا۔ از روئے قرآن حکیم جناب محمد ﷺ سید المرسلین بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی۔ اب قیامت تک کے لئے کسی نوع کا کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا' نہ علی نہ بروزی۔ لہٰذا آغاز نبوت سے لے کر تا قیامت پوری نوع انسانی اس فرق کے ساتھ حضور ﷺ کی امت ہے کہ جو لوگ آپؐ پر ایمان لے آئے اور جو آپ پر ایمان رکھتے ہیں یا اس کے دعویدار ہیں' جنہوں نے آپ کی تصدیق کی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ کو اپنا ہادی' امام اور پیشوا تسلیم کیا' وہ لوگ حضور ﷺ کی "امت اجابت" میں شامل ہیں' لیکن وہ لوگ جو آپؐ پر ایمان نہیں لائے یا نہیں لاتے یا جن تک اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچا وہ حضور ﷺ کی "امت دعوت" ہے۔ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ایک اجل مسمی (وقت مقررہ) تک کے لئے بھیجا تھا۔ آپ ﷺ نے الرفیق الاعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائی تھی' لیکن قیامت تک نوع انسانی کو دعوت حق اور ہدایت ربانی پہنچانے کا کام جاری رکھنا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ کام امت اجابت کے سپرد کر دیا۔ قرآن عزیز کے کئی مقامات سے یہ بات بالکل مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے' جن میں سے چند کا حوالہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ البتہ اس سے قبل اس بات کو اختصار کے ساتھ سمجھ لینا مفید ہوگا کہ "امت اجابت" سے مراد کیا ہے!

اجابت کے معنی ہیں قبول کرنا۔ دین کی دعوت کو قبول کرنے کے اہم لوازم ہیں اسلام' اطاعت' تقویٰ اور عبادت۔ اتنا موقع نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے معانی و مفاہیم اور مقدرات و مقتضیات پر گفتگو کی جائے' تاہم حسن ظن ہے کہ قارئین کرام ان سے واقف ہوں گے۔ اب جو لوگ ان لوازم کے ساتھ دین کو قبول کریں اور ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے علمبردار بن کر کھڑے ہوں اور دعوت و تبلیغ' شہادت علی الناس' امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اقامت دین کی جدوجہد

کو اپنی زندگی کا مقصود و مطلوب بنالیں۔ یہ وہ مناصب ہیں جن پر سید المرسلین' نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فائز تھے۔ اور جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ حضور ﷺ کا اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہ جملہ ذمہ داریاں "امت اجابت" کے سپرد کردی گئی تھیں۔ بطور استشہاد آیات ذیل پر غور و تدبر فرمایئے :

۱۔ سورۃ الحج جس کے بعض حصے مکہ مکرمہ میں' بعض حصے مدینہ منورہ میں اور بعض آیات دوران ہجرت میں نازل ہوئیں' اس کی آخری آیت کے درمیان میں فرمایا گیا : ﴿لیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونوا شھداء علی الناس﴾ یہی بات ایک نئی ترتیب سے سورۃ البقرہ (آیت ۱۴۳) میں تحویل قبلہ کے تذکرہ کے ذیل میں بیان ہوئی۔ تحویل قبلہ کا حکم اس حقیقت کبریٰ کی علامت تھا کہ سابقہ امت یعنی بنی اسرائیل امت اجابت کے منصب سے معزول کی گئی اور امت محمد (علیٰ صاحبہ الصلوۃ والسلام) اس منصب پر فائز کی گئی۔ فرمایا گیا : ﴿وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا﴾

۲۔ سورۂ آل عمران میں امت مسلمہ کو برپا کرنے کی غرض و غایت اور اس کی دینی و ملی ذمہ داریوں کو منقح کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا : ﴿کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ﴾

۳۔ سورۃ الشوریٰ میں امت مسلمہ کو تعلیم دی گئی کہ جو دین ہم نے (اللہ نے) حضرت نوح' جناب نبی اکرم' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم الصلوۃ والسلام) کو اس کی اقامت کے حکم کے ساتھ دیا گیا تھا وہی دین (اے امت محمد) تمہارے لئے مقرر کیا ہے لہٰذا : ﴿اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ﴾

۴۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے منصب رسالت کی جملہ ذمہ داریاں یہ ارشاد فرما کر اپنی امت کے سپرد فرمادیں کہ : "فلیبلغ الشاھد الغائب"۔ ان چند مثالوں سے ثابت ہوگیا کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوۃ والسلام کے امتیوں پر فرض ہے' واجب ہے' لازم ہے' ان کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ اس دین کو اپنی انفرادی زندگی پر جاری و ساری کریں اور اجتماعی زندگی کا پورا نظام دین حق یعنی کتاب و سنت کے اصول و مبادی پر قائم کریں۔ چنانچہ "ان الحکم الا للہ" کے غیر متبدل ضابطہ کے ساتھ اس کی تشریح و توضیح میں سورۃ المائدہ آیات ۴۴۔۴۵۔۴۷ میں یہ اصول بھی بیان فرمادیا گیا کہ :

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ..... ھم الظالمون ..... ھم الفاسقون۔" پھر اسی نظام حیات کے قیام کی بنی نوع انسان کو دعوت دیں اور اس ضمن میں فریضہ جہاد کی بجا آوری کریں۔

نوع انسانی کو جاہلیت کے اندھیروں سے نکالنے اور توحید کے نور سے ان کے فکر و نظر' روح و قلب اور اعمال کو منور و مطہر کرنے کی دعوت دینے اور اس کو جبارین کے جور و ظلم اور تعدی و عدوان کے پنجوں سے رستگاری دلا کر اسلام کے عدل و قسط پر مبنی نظام اجتماعی کی برکات سے روشناس کرانے اور اس سے

مستفید ہونے کی مساعی کرنے کی ملت اسلامیہ نے اپنی دینی و ملی ذمہ داریوں سے بتدریج پہلو تہی اختیار کرنی شروع کی بلکہ نوبت بایں جا رسید کہ رفتہ رفتہ انفرادی زندگی سے متعلق بھی دین کی تعلیمات سے روگردانی کے عمل کا آغاز ہو گیا۔ اور مسلمانوں کی عظیم اکثریت کا یہ حال ہے کہ وہ مفروضہ عبادات (صلوٰۃ' صوم' زکوٰۃ و حج) سے غافل ہی نہیں بلکہ تارک ہیں۔ قرآن مجید جو الموعظہ بھی' الشفاء بھی' الہدیٰ بھی ہے' الفرقان بھی' الکتاب (اوامر و نواہی پر مشتمل) بھی ہے اور الحکمت بھی' اس کو پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ شعار اسلام جیسے ستر' حجاب' اسلامی آداب معاشرت زندگی سے خارج ہو چکے ہیں۔ قلیل اقلیت جن کا اسلامی شعور ابھی بالکلیہ مردہ نہیں ہوا تو ان کا تصور دین بھی صرف "مذہب" کی حد تک جو عقیدہ' چند عبادات اور چند معاشرتی رسومات پر مشتمل ہوتا ہے' محدود ہے۔ قرآن حکیم سے ان کا کوئی شغف ہے تو حصول ثواب اور ایصال ثواب کی حد تک۔ دین کا یہ جامع تصور (الا ماشاء اللہ) ان کے سامنے بھی موجود نہیں ہے کہ اس کو انفرادی و اجتماعی زندگی پر حاکم و غالب کرنا اور رکھنا اور اگر وہ اجتماعی زندگی پر غالب و حکمران نہیں ہے تو اس کے غلبہ و اقامت کی جدوجہد کرنا' ہر امتی رسول ﷺ پر فرض ہے۔ نیز یہ کہ زندگی کے جملہ شعبے خواہ وہ معاشرت ہو خواہ تجارت' خواہ وہ معیشت ہو خواہ حکومت' خواہ وہ عدلیہ ہو خواہ پولیس اور اس نوع کے دیگر شعبے' سب کے سب جب تک شریعت اسلامی کے تابع نہ ہو جائیں مومن و مسلم ہونے کا ہمارا دعویٰ ایک غرہ ہے' ایک بے بنیاد سہارا ہے۔

ہمارا یہ طرز عمل' ہمارے یہ کرتوت' ہماری یہ ڈھٹائی کہ سود جیسی حرام شے نے ہماری معیشت میں ناقابل انہدام بنیاد کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ یہ وہ جرائم ہیں جن کی پاداش میں ہم بالخصوص مسلمانان پاکستان انواع و اقسام کے عذابوں میں گھرے ہوئے ہیں۔

ہمیں تو پیشگی متنبہ کر دیا گیا تھا کہ : ﴿یا یھا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون ○ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون ○﴾ "اے ایمان والو (یا ایمان کے دعویدارو!) تم اپنے قول (منہ) سے (وہ بات) کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ (اس کی) بڑی بیزاری (اور غصہ و غضب) کی بات ہے کہ تم کہو وہ بات جس پر تمہارا عمل نہیں ہے۔" (یعنی دعویٰ ایمان کرو لیکن اس کے تقاضے اور مطالبے پورے نہ کرو۔)

آج پوری دنیا بالخصوص ارض پاکستان اور عرب ریاستوں کے مسلمان اللہ تعالیٰ کی اسی سخت بیزاری اور شدید غصہ و غضب کی زد میں ہیں۔ اس سے رستگاری کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں بہت سے مقامات پر مختلف اسالیب سے تعلیم فرما دیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا گیا : ﴿یا یھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافہ ولا تتبعوا خطوت الشیطن﴾ "اے اہل ایمان! (یا اے ایمان کے دعویدارو) اسلام (اللہ کی بندگی کے نظام میں ہمہ جہت' ہمہ وجوہ' ہمہ تن) پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور دیکھنا کہ شیطان کی پیروی نہ کر بیٹھنا۔" (یعنی دین و دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہ کر لینا)۔ اور مثلاً سورۃ التحریم میں ارشاد فرمایا گیا : ﴿یا یھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبہ نصوحا﴾ "اے ایمان والو اللہ کی جناب میں (پلٹو اور اپنی خطاؤں سے) توبہ کرو' صاف اور سچے

دل کی توبہ"۔ اور جیسے سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿ومن تاب وعمل صالحا فانه یتوب الی اللہ متابا﴾ "اور جو کوئی توبہ کرے اور نیک کام کرے پس وہ (بھی) ہے جو رجوع کرتا ہے اللہ کی طرف جو رجوع کرنے کی (صحیح و حقیقی) جگہ ہے۔" یعنی توبہ کا اصل مفاد یہ ہے کہ ایک بندۂ مومن شعوری اور غیر شعوری طور پر سرزد ہونے والی خطاؤں اور گناہوں کی احساس پشیمانی 'اعتراف تقصیر کے ساتھ سچے دل سے اس پر ندامت کا اظہار کرے۔ ان کو چھوڑنے کا عزم صادق کرے اور ان تمام اعمال صالح کی ادائیگی کا التزام و اہتمام کرے 'جس کی ہدایت 'تعلیم' تاکید اور ترغیب و تشویق کتاب و سنت میں وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔

ایک آخری بات! اسلام ایک ابدی حقیقت ہے۔ اسلام کو اکثریت رکھنے والے موجودہ نام نہاد مسلمانوں کی کسی مدد کی احتیاج نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح و نجات کا انحصار کل کے کل اسلام کو اختیار کرنے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی اس سنت کو سورۃ الرعد اور سورۂ محمدؐ میں بایں الفاظ بیان فرما چکا ہے کہ: ﴿ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم﴾ "اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ (قوم) خود کو نہ بدلے۔" اور: ﴿وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم﴾ "(اے اہل ایمان) اگر تم پھر جاؤ گے (اپنی دینی ذمہ داریوں سے پیٹھ موڑو گے) تو (اللہ) بدل دے گا تمہارے سوائے کوئی (دوسری) قوم۔"

تاریخ گواہ ہے کہ اس سنت اللہ کا ظہور اس صورت میں ہو چکا ہے کہ عربوں کی نابنجاریوں 'عیش کوشیوں 'احکام و شعائر دین سے اعراض کی پاداش میں ان کو حکمرانی سے بے دخل کیا۔ ان کو تاتاریوں کے ہاتھوں اس طرح پٹوایا کہ وہ تاریخ کی ایک ان مٹ عبرت ناک داستان بن گئے۔ اور پھر انہی تاتاریوں کے مختلف قبائل (جیسے ترکان عثمانی 'ترکان سلجوقی 'ترکان صفوی اور مغلوں) کو اس وقت کی اسلامی مملکت پر تسلط عطا فرمایا۔ خلافت (جیسی اور جس کیفیت میں تھی) تمام کا علم ترکان عثمانی کے ہاتھ میں تھما دیا جن کے ہاتھوں قسطنطنیہ فتح ہوا اور مشرقی یورپ کا کثیر علاقہ خلافت ترکان عثمانی کے زیر نگیں آگیا۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ستا فرنیچر

سستے اور معیاری فرنیچر کے حصول کے لئے رفیق تنظیم 'عباس علی صاحب سے رابطہ کریں۔ عباس صاحب فرنیچر کے کام کو ختم کر کے کوئی اور دھندا کرنا چاہتے ہیں۔

رابطہ فون 7583315 (ازراہ کرم رات آٹھ بجے کے بعد اس فون پر رابطہ کریں۔ دن کے اوقات میں وہ اس فون پر موجود نہیں ہوتے)

ضرورت رشتہ

چکوال میں مقیم تنظیم اسلامی کے ایک رفیق، عمر ۲۸ سال، تعلیم ڈبل ایم اے، بی ایڈ، برسر روزگار کے لئے صوم و صلوٰۃ اور پردہ کی پابند، غیر اسلامی رسومات سے مجتنب، تحریکی ذہن کی پڑھی لکھی لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں، لڑکے کا تعلق اعوان فیملی سے ہے۔ تنظیم اسلامی سے وابستہ گھرانے خاندان کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ کے لئے... معرفت حافظ خالد محمود خضر، قرآن اکیڈمی، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

☆ ☆ ☆

ایک ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹر کے لئے ارائیں خاندان کی تعلیم یافتہ، خوبصورت اور صحیح اسلامی شعور رکھنے والی حافظہ قرآن لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ تنظیم اسلامی سے منسلک احباب کو ترجیح دی جائے گی۔

پتہ برائے خط و کتابت و بالمشافہ ملاقات

طارق حسین انجم، لیکچرار، سید مودودی انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ، وحدت روڈ، لاہور۔ ۱۸

☆ ☆ ☆

تحریکی ذہن رکھنے والے نوجوان گزٹیڈ آفیسر، گریڈ ۱۶، ایس ایس ٹی (سائنس)، تعلیم بی ایس سی، بی ایڈ، ایم اے، تنخواہ۔/۴۰۰۰ روپے ماہوار، کے لئے دینی مزاج کی حامل خوش شکل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ فوری رابطہ۔

رابطہ: منیر حسین نجمی، معرفت سٹوڈنٹ بک ہاؤس، رنگ پور روڈ چوک سرور شہید تحصیل کوٹ ادو، ضلع مظفر گڑھ

☆ ☆ ☆

پیرس میں مقیم تنظیم اسلامی کے ایک رفیق، جو فی الحال پاکستان آئے ہوئے ہیں، کے لئے خوبصورت، پڑھی لکھی، دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے، لڑکی کو ساتھ پیرس جانا ہوگا۔ ذات پات اور جہیز وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں۔

رابطہ کے لئے:

ایم ایس معرفت "میثاق" K-36، ماڈل ٹاؤن، لاہور

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

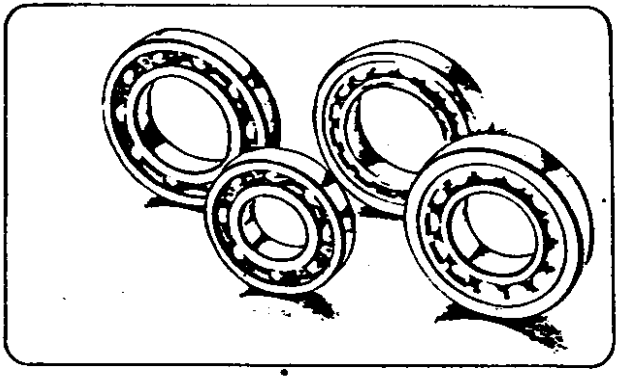

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 84 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haidet Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

Domestic or International
Any Destination Any Airline

مقصد عمرے کی سعادت ہو یا حصول تعلیم سیر و سیاحت ہو یا تجارت ہم اپنے کرم فرماؤں
کو اندرون ملک اور بیرون ملک ہوائی سفر کیلئے ٹکٹ اور دوسری سہولتیں بحسن خوبی فراہم کرتے ہیں

عمرہ کی سعادت

حاصل کرنے کے لیے ہماری خدمات حاصل کریں

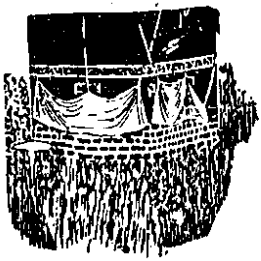

OVERSEAS TRAVEL SERVICE (PVT.) LTD.

7-Bridge Shopping Centre
Main Clifton Road,
Near Clifton Bridge,
Karachi-Pakistan.
Cable : "BONJOUR"

Govt. Licence No. 1395
Tel. : 514010-518514-510712-515130
515370
Fax No. : 92-21-516266
Mobile Tel. No. : 0321-330185

CONTACT :

ALTAF AHMED ALLAWALA
NADEEM ALTAF ALLAWALA
WASEEM ALTAF ALLAWALA

مولانا مودودی مرحوم کے قدیم ترین رفیق کار

جناب نعیم صدیقی

کی جماعتِ اسلامی سے علیحدگی نے تحریکِ اسلامی کے مستقبل سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک نیا لمحۂ فکریہ پیدا کر دیا ہے۔
اس موقع پر اصل تحریک کا تسلسل برقرار رکھنے کے خواہشمند حضرات کے لیے

ڈاکٹر اسرار احمد

کی حسب ذیل تالیفات کا مطالعہ لازمی ہے تاکہ وہ اپنا آئندہ کا لائحۂ عمل علیٰ وجہ البصیرت ترتیب دے سکیں :-

۱۔ **تحریک جماعت اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ۔**
بڑے سائز کے ۲۴ صفحات، مجلّد سفید کاغذ۔/۴۰ روپے

۲۔ **جماعتِ اسلامی کی تاریخ کا ایک گمشدہ باب۔**
بڑے سائز کے ۳۲۸ صفحات، مجلّد سفید کاغذ۔/۸۰ روپے، غیر مجلّد نیوز پرنٹ۔/۳۵ روپے

۳۔ **برِّعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں۔**
سفید کاغذ پر بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات۔/۳۰ روپے

۴۔ **جماعت اسلامی کی تاریخ کا تیسرا بحران۔**
اور اس کے نئے امیر قاضی حسین احمد۔
نیوز پرنٹ پر بڑے سائز کے ۴۹۰ صفحات۔/۱۰ روپے

۵ **مولانا مودودی مرحوم اور میں۔**
نیوز پرنٹ پر بڑے سائز کے ۹۴ صفحات۔/۸ روپے

پانچ کتابوں کی مجموعی قیمت۔/۱۶۸ روپے، پورے سیٹ کی خصوصی رعایتی قیمت۔/۱۳۵ روپے
بذریعہ وی پی طلب کرنے پر محصول ڈاک اس کے علاوہ۔ البتہ رقم بذریعہ منی آرڈر پیشگی ارسال کرنے کی صورت میں رجسٹرڈ بک پوسٹ کے اخراجات بذمہ ادارہ ہوں گے۔

شائع کردہ: **مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور** ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور (فون: ۸۵۶۰۰۳/۴/۵)

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG. No L. 7360
Vol. 43 No. 10
Oct. 1994

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوھر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

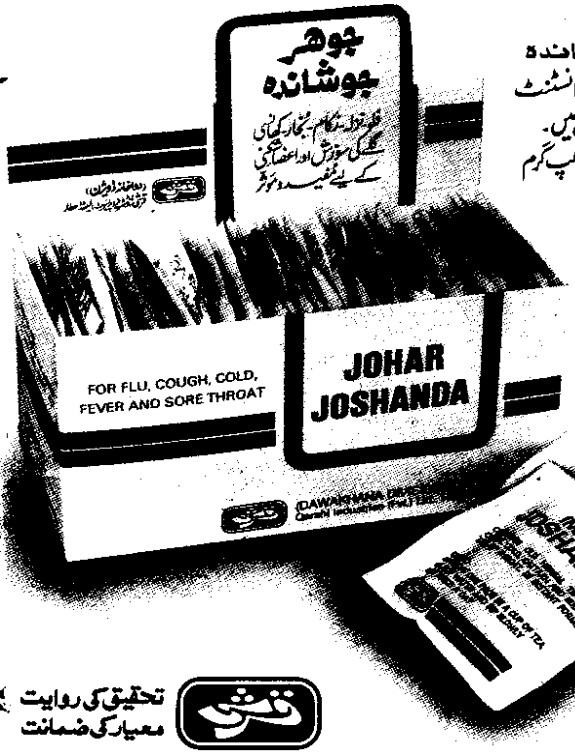

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوھرجوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوھرجوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوھرجوشاندہ
استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

آسان استعمال
مؤثر علاج

Interflow